واقعہ افک:

اعتقادی مطالعہ

قرآن وسنت کی روشنی میں

تالیف:

ڈاکٹر عفاف حسن محمد مختار

ترجمہ:

سیف الرحمن حفظ الرحمن تیمی

تفصیلاتِ کتاب

* کتاب: واقعہ افک: اعتقادی مطالعہ - قرآن وسنت کی روشنی میں

* تالیف: ڈاکٹر عفاف حسن محمد مختار

* ترجمہ: سیف الرحمن حفظ الرحمن تیمی

* سن اشاعت: ۱۴۴۱ھ-2019ء

* صفحات: ۹۶

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستهديه ونستغفره ونتوب إليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله۔

تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہے جس نے قرآن کریم کو ہمارے لئے کتابِ (ہدایت) اور محمد ﷺ کو ہمارے لئے نبی اور رسول بناکر مبعوث فرمایا، ان دونوں کے اندر چشم کشا نور اور راہ مستقیم (کی رہنمائی ہے)۔

امابعد...

جن عظیم چشموں سے طالب علم سیر ابی حاصل کرتا ہے، ان میں وہ سرچشمہ بھی ہے جس کے سوتے دین اسلام کے شجر تلے پھوٹتے ہیں... اللہ کی قسم یہ خیر و بھلائی کا ایسا درخت ہے کہ جب بندہ مومن اس کے سائے تلے پناہ لیتا ہے تو سعادت وکامرانی سے سرفراز ہوتا ہے... اسی لئے میں نے عقیدہ کے ایسے مسائل کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے جو حضرت عائشہ سے مروی صحیح حدیث[(1)] اور سورۃ نور کے اندر وارد واقعہ افک سے مستفاد ہیں... اس واقعہ کی روشنی سے بہت سے بڑے اعتقادی مسائل ہمارے سامنے واضح ہو جاتے ہیں، جنہیں انسان اپنی راہ یابی کے لئے مشعل راہ بنا سکتا ہے تاکہ بصیرت وآگہی کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکے... اس مقالہ کے حسن اختتام کے لئے یہی کافی ہوگا کہ ہمارے اندر قرآن وسنت کی عظمت کا یقین فزوں تر ہو جائے، کیوں کہ قرآن وسنت سے ہی دنیا وآخرت کی سعادت وکامرانی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو اپنی رضا کے لئے خالص کر لے اور اسے مفید بنائے۔ یقینا اللہ اس کی اہلیت اور اس پر قدرت رکھتا ہے۔

موضوع کی اہمیت:

موضوع کی اہمیت کو درج ذیل نکات کی روشنی میں پیش کیا جاسکتا ہے:

[(1)] صحیح بخاری، کتاب تفسیر سورۃ النور، باب (لولا إذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات) ۸/ ۳۶۷-۳۴۳، مسلم، کتاب التوبۃ، باب حدیث الإفک ۱۷/ ۱۰۲

۱- یہ موضوع (واقعہ افک) نبی ﷺ کی زندگی کے اہم گوشوں سے تعلق رکھتا ہے، وہ یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس واقعہ کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ اور آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی عزت افزائی کی۔

۲- اس واقعہ کے ذریعہ اہل سنت والجماعت کی امتیازی خصوصیات کو اجاگر کرنا۔

۳- شہوت پسندوں کے مذاہب سے پردہ اٹھانے میں اپنی حصہ داری پیش کرنا۔

۴- دین میں ایمان کے ارکان کی جو اہمیت ہے، اس پر روشنی ڈالنا۔

۵- واقعہ افک اپنے دامن میں ارکان ایمان سے متعلق ایسے موضوعات کو سمیٹے ہوا ہے جو باہم مربوط اور ہم آہنگ ہیں۔

مقالے کا خطہ:

یہ مقالہ مقدمہ، تمہید، چھ ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ کے اندر درج ذیل امور ذکر کئے گئے ہیں:

- موضوع کی اہمیت اور اسے اختیار کرنے کا سبب۔
- مقالے کا خطہ۔
- مقالے کا منہج۔

تمہید درج ذیل امور پر محیط ہے:

- اِفک (تہمت) کی لغوی اور اصطلاحی تعریف
- واقعہ افک میں شریک ہونے والے مشہور لوگ
- تہمت لگانے والوں کی سنگینی
- اس تہمت کے متعلق مسلمانوں کا موقف
- رکن کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

پہلا باب: واقعہ افک ایمان کے ارکان پر مشتمل ہے، اس کے اندر پانچ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: ایمان کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مبحث: اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود پر ایمان لانا

تیسرا مبحث: توحید ربوبیت، اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید ربوبیت کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید ربوبیت کا ثبوت

چوتھا مبحث: توحید الوہیت، اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید الوہیت کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید الوہیت کا ثبوت

پانچواں مبحث: توحید اسماء وصفات، اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید اسماء وصفات کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید اسماء وصفات کا ثبوت

دوسرا باب: ملائکہ پر ایمان لانا، یہ دو مباحث پر مشتمل ہے:

پہلا مبحث: ملائکہ کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مبحث: واقعہ افک سے ملائکہ پر ایمان لانے کا ثبوت

تیسرا باب: کتابوں پر ایمان لانا، اس کے اندر دو مباحث ہیں:

پہلا مبحث: کتاب کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مبحث: واقعہ افک سے کتابوں پر ایمان لانے کا ثبوت

چوتھا باب: رسولوں پر ایمان لانا، یہ دو مباحث پر مشتمل ہے:

پہلا مبحث: نبی ورسول کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مبحث: واقعہ افک سے رسولوں پر ایمان لانے کا ثبوت

پانچواں باب: یوم آخرت پر ایمان لانا، یہ دو مباحث پر مشتمل ہے:

پہلا مبحث: یوم آخرت کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مبحث: واقعہ افک سے یوم آخرت پر ایمان لانے کا ثبوت

چھٹا باب: قضاء وقدر پر ایمان لانا، یہ دو مباحث پر مشتمل ہے:

پہلا مبحث: قضاء وقدر کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مبحث: واقعہ افک سے قضاء وقدر پر ایمان لانے کا ثبوت

خاتمہ: واقعہ افک سے ماخوذ اہم نتائج پر مشتمل ہے۔

مقالے کا منہج:

۱-اعتقادی مسائل، عقیدہ کے اصلی مراجع سے اخذ کئے گئے ہیں، چنانچہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اہل سنت کی کتابوں سے لیا گیا ہے اور شہوت پرستوں اور بدعتیوں کا عقیدہ ان کی اپنی کتابوں سے ہی نقل کیا گیا ہے۔

۲-کوشش کی گئی ہے کہ موضوع کو اہل منطق کے اصول و قواعد پر مبنی علم کلام کی پیچیدگی کے بجائے سہل اسلوب میں پیش کیا جائے۔

۳-اہل سنت والجماعت کے مذہب کو اجاگر کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

۴-اہل سنت کی طرف منسوب غلط دعووں کی تردید کی گئی ہے۔

۵-اس مقالہ میں سورۃ نور کی آیات ۱۰-۲۲ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث پر اعتماد کیا گیا ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب تفسیر سورۃ النور کے اندر باب "لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤنات" ۸/ ۳۴۳-۳۶۷ کے تحت اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب التوبۃ کے اندر "باب حدیث الإفک" ۱۷/ ۱۰۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

۶-ایسے فرقوں کے ساتھ دور حاضر کے فرقوں کا تعلق پیش کیا گیا ہے جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ناپید ہو چکے ہیں، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ فرقے ناپید نہیں ہوئے، بلکہ کوئی فرقہ ایسا نہیں جس کا وجود نہ ہو، اس کے پیروکار اور اس کے اصل عقیدے اور آراء کے متبعین نہ پائے جاتے ہوں، اگر کوئی تبدیلی واقع بھی ہوئی تو صرف بعض مظاہر کے اندر یا جزوی چیزوں یا ناموں[1] میں، تاہم اصول اب بھی یکساں طور پر باقی ہیں۔

---

[1] جیسے خوارج، معتزلہ، جہمیہ اور غالی صوفیاء وغیرہ۔ خوارج کی نمائندگی فی الوقت اباضی فکر کے حاملین کر رہے ہیں، فرقہ اباضیہ خوارج کی ہی ایک شاخ ہے، معتزلہ کی بات کریں تو آج بھی ان کے مذہب کے ثناخواں موجود ہیں، مثلاً ڈاکٹر محمد عمارۃ جنہوں نے اپنی بہت سی کتابوں میں مسلک اعتزال کی تعریف کی ہے، جیسے: نظرۃ جدیدۃ الی التراث، الاسلام والمستقبل، اسی طرح ڈاکٹر زہدی حسن جار اللہ نے بھی اپنی کتاب (المعتزلۃ) میں پوری گرم جوشی کے ساتھ معتزلیوں کا دفاع اور اہل سنت والجماعت کی تنقیص کی ہے، ڈاکٹر علی بن مصطفی الغرابی، ڈاکٹر عرفان عبد الحمید، اور ڈاکٹر عثمان اور ان جیسے بہت سے حضرات ہیں جو اسی فکر کے حامل ہیں، عقلانیت اور جدیدت (کے نام پر جو شوشے چھیڑے جاتے ہیں وہ) اعتزالی فکر ہی کی شاخیں ہیں۔ جہمیہ کی بات کریں تو اس دور میں ان کے افکار کی تشہیر کرنے والے بھی موجود ہیں جیسے جلال العظم اور توفیق الحکیم، یہ دونوں حضرات ابلیس کا دفاع کرتے اور یہ وہم رکھتے ہیں کہ اللہ نے اس پر ظلم کیا اور اسے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی موجودہ صورتِ حال اختیار کرے۔ جہاں تک غالی صوفیا کی بات ہے تو جو لوگ ابن عربی کی کتابوں کے تئیں فرط جذبات

۷- طوالت سے بچتے ہوئے حاشیہ کے اندر اہل سنت والجماعت کے مخالفین کے آراء ذکر کئے گئے ہیں، کیوں کہ متن کے اندر انہیں ذکر کرنے کا مطلب ہے کہ ان کی سوانح حیات پر بھی روشنی ڈالی جائے جس سے مقالہ مزید طویل ہو سکتا ہے۔

۸- (اگر کسی کتاب کی) طباعت مختلف ہو تو حاشیہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

۹- قرآنی آیات کو حوالہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

۱۰- حدیث اگر صحیحین کے اندر ہو تو صحیحین سے ہی اس کی تخریج کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے کیوں کہ اصل مقصد حدیث کی صحت سے واقف ہونا ہے، اور اگر صحیحین میں نہ ہو تو ایک سے زائد مصادر ذکر کرنے کے ساتھ - ان کی صحت وضعف سے متعلق - متقدمین ومعاصرین علماء کے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں۔

۱۱- مقالہ کے تقاضے کے بموجب بعض مقامات پر تکرار در آیا ہے۔

۱۲- مقالہ کے اخیر میں خاتمہ پیش کیا گیا ہے جس کے اندر واقعہ افک سے ماخوذ اعتقادی مسائل ذکر کرنے کے ساتھ مقالہ کے نتائج بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ صوفی فکر ہی کے نمائندے ہیں، بطور خاص تیجانیہ، مریدیہ اور رفاعیہ جیسے فرقے اسی فکر کے علمبردار ہیں، بلکہ بعض ایسے قلم کار بھی ہیں جو عقیدہ وحدۃ الوجود کے دفاع کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جیسے ڈاکٹر عبد الحلیم محمود اور احمد الرفاعی۔ دیکھیں: کتاب المحنۃ - فہمی جدعان / ۴۷، تاریخ الفرق الاسلامیۃ- الغرابی / ۶۰-۶۱، دراسات فی الفرق- عرفان عبد الحمید / ۱۲۵-۱۲۸، ذیل المنقذ من الضلال- ڈاکٹر عبد الحلیم محمود / ۲۶۹-۲۷۷، العقیدۃ الحقۃ- الرفاعی / ۱۲۹-۱۳۹

سورۃ نور کی وہ آیتیں جن میں واقعہ افک کا تذکرہ ہوا ہے:

اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ وَأَنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ١٠ إِنَّ ٱلَّذِينَ جَآءُو بِٱلۡإِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنكُمۡۚ لَا
تَحۡسَبُوهُ شَرًّا لَّكُمۖ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡۚ لِكُلِّ ٱمۡرِيٕٖ مِّنۡهُم مَّا ٱكۡتَسَبَ مِنَ ٱلۡإِثۡمِۚ وَٱلَّذِي تَوَلَّىٰ كِبۡرَهُۥ مِنۡهُمۡ لَهُۥ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ١١ لَّوۡلَآ إِذۡ سَمِعۡتُمُوهُ ظَنَّ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمۡ خَيۡرًا وَقَالُواْ هَٰذَآ إِفۡكٌ مُّبِينٌ
١٢ لَّوۡلَا جَآءُو عَلَيۡهِ بِأَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَۚ فَإِذۡ لَمۡ يَأۡتُواْ بِٱلشُّهَدَآءِ فَأُوْلَٰٓئِكَ عِندَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلۡكَٰذِبُونَ ١٣
وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِ لَمَسَّكُمۡ فِي مَآ أَفَضۡتُمۡ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ١٤ إِذۡ
تَلَقَّوۡنَهُۥ بِأَلۡسِنَتِكُمۡ وَتَقُولُونَ بِأَفۡوَاهِكُم مَّا لَيۡسَ لَكُم بِهِۦ عِلۡمٌ وَتَحۡسَبُونَهُۥ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمٌ ١٥
وَلَوۡلَآ إِذۡ سَمِعۡتُمُوهُ قُلۡتُم مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبۡحَٰنَكَ هَٰذَا بُهۡتَٰنٌ عَظِيمٌ ١٦ يَعِظُكُمُ ٱللَّهُ
أَن تَعُودُواْ لِمِثۡلِهِۦٓ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ١٧ وَيُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلۡأٓيَٰتِۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ١٨ إِنَّ
ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلۡفَٰحِشَةُ فِي ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِۚ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ
وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ ١٩ وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ وَأَنَّ ٱللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ٢٠ ۞
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّبِعُواْ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيۡطَٰنِۚ وَمَن يَتَّبِعۡ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَإِنَّهُۥ يَأۡمُرُ بِٱلۡفَحۡشَآءِ
وَٱلۡمُنكَرِۚ وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنۡ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَآءُۗ وَٱللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٢١ وَلَا يَأۡتَلِ أُوْلُواْ ٱلۡفَضۡلِ مِنكُمۡ وَٱلسَّعَةِ أَن يُؤۡتُوٓاْ أُوْلِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينَ
وَٱلۡمُهَٰجِرِينَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِۖ وَلۡيَعۡفُواْ وَلۡيَصۡفَحُوٓاْۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغۡفِرَ ٱللَّهُ لَكُمۡۗ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٌ
٢٢﴾ [سورۃ النور:10-22].

ترجمہ:

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا (تو تم پر مشقت اترتی) اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا باحکمت ہے [10]۔ جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں یہ بھی تم میں سے ہی ایک گروہ ہے۔ تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام دیا ہے اس کے لئے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے [11]۔ اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے [12]۔ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں [13]۔ اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقینا اس بات کی وجہ سے جس میں تم مشغول ہوئے، تم پر بہت بڑا عذاب پہنچتا [14]۔ جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لے رہے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کچھ علم نہیں اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی[15]۔ اور کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو کہا ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم اس کے ساتھ کلام کریں، تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے [16]۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے اس سے کہ دوبارہ کبھی ایسا کام کرو، اگر تم مومن ہو [17]۔ اور اللہ تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے[18]۔ جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے [19]۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بڑی شفقت رکھنے والا مہربان ہے (تو تم پر عذاب اتر جاتا) [20]۔ ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برے کاموں کا ہی حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے، کر دیتا ہے۔ اور اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے [21]۔ تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیئے، بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ قصوروں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے [22]۔

واقعہ افک سے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث:

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: (جب نبی کریم ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ ڈالتے، جن کا نام نکل جاتا انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ انہوں نے بیان کیا کہ: ایک غزوہ کے موقع پر اسی طرح آپ نے قرعہ ڈالا اور میرا نام نکلا۔ میں آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ یہ واقعہ پردہ کے حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ مجھے ہودج سمیت اونٹ پر چڑھا دیا جاتا اور اسی طرح اتار لیا جاتا تھا۔ یوں ہمارا سفر جاری رہا۔ پھر جب آپ اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات جب کوچ کا حکم ہوا میں (قضائے حاجت کے لیے) پڑاؤ سے کچھ دور گئی اور قضائے حاجت کے بعد اپنے کجاوے کے پاس واپس آ گئی۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ میرا اظفار کے نگینوں کا بنا ہوا ہار کہیں راستہ میں گر گیا ہے۔ میں اسے ڈھونڈنے لگی اور اس میں اتنا محو ہو گئی کہ کوچ کا خیال ہی نہ رہا۔ اتنے میں جو لوگ میرے ہودج کو سوار کیا کرتے تھے آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اس اونٹ پر رکھ دیا جو میری سواری کے لیے تھا۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ میں اس میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ ان دنوں عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں۔ گوشت سے ان کا جسم بھاری نہیں ہوتا تھا کیونکہ کھانے پینے کو بہت کم ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب لوگوں نے ہودج کو اٹھایا تو اس کے ہلکے پن میں انہیں کوئی اجنبیت نہیں محسوس ہوئی۔ میں یوں بھی اس وقت کم عمر لڑکی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس اونٹ کو اٹھایا اور چل پڑے۔ مجھے ہار اس وقت ملا جب لشکر گزر چکا تھا۔ میں جب پڑاؤ پر پہنچی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا۔ میں وہاں جا کر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ جلد ہی انہیں میرے نہ ہونے کا علم ہو جائے گا اور پھر وہ مجھے تلاش کرنے کے لیے یہاں آئیں گے۔ میں اپنی اسی جگہ پر بیٹھی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔ صفوان بن معطل سلمی ثم ذکوانی لشکر کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے (تاکہ اگر لشکر والوں سے کوئی چیز چھوٹ جائے تو اسے اٹھا لیں سفر میں یہ دستور تھا) رات کا آخری حصہ تھا، جب میرے مقام پر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی۔ انہوں نے (دور سے) ایک انسانی سایہ دیکھا کہ پڑا ہوا ہے۔ وہ میرے قریب آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔ پردہ کے حکم سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب وہ مجھے پہچان گئے تو "إنا لله" پڑھنے لگے۔ میں ان کی آواز پر جاگ گئی اور چہرہ چادر سے چھپا لیا۔ اللہ کی قسم! اس کے بعد انہوں نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور نہ میں نے "إنا لله وإنا إليه راجعون" کے سوا ان کی زبان سے کوئی کلمہ سنا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور میں اس پر سوار ہو گئی وہ (خود پیدل) اونٹ کو آگے سے کھینچتے ہوئے لے چلے۔ ہم لشکر سے اس وقت ملے جب وہ بھری دوپہر میں (دھوپ سے بچنے کے لیے) پڑاؤ کئے

ہوئے تھے، تو میرے مقدمے میں جو تباہ ہوئے (یعنی جنہوں نے بدگمانی کی) وہ تباہ ہوئے۔ اس تہمت میں پیش پیش عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق تھا۔ مدینہ پہنچ کر میں بیمار پڑ گئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا برابر چرچا رہا لیکن مجھے ان باتوں کا کوئی احساس بھی نہ تھا۔ صرف ایک معاملہ سے مجھے شبہ سا ہوتا تھا کہ میں اپنی بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لطف و محبت کا اظہار نہیں دیکھتی تھی جو پہلی بیماریوں کے دنوں میں دیکھ چکی تھی۔ نبی کریم ﷺ اندر تشریف لاتے سلام کر کے صرف اتنا پوچھ لیتے کہ کیا حال ہے؟ اور پھر واپس چلے جاتے۔ نبی کریم ﷺ کے اسی طرز عمل سے شبہ ہوتا تھا لیکن صورت حال کا مجھے کوئی احساس نہیں تھا۔ ایک دن جب (بیماری سے کچھ افاقہ تھا) کمزوری باقی تھی تو میں باہر نکلی میرے ساتھ ام مسطح رضی اللہ عنہا بھی تھیں ہم مناصع کی طرف گئے۔ قضائے حاجت کے لیے ہم وہیں جایا کرتے تھے اور قضائے حاجت کے لیے ہم صرف رات ہی کو جایا کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنے تھے۔ اس وقت تک ہم قدیم عرب کے دستور کے مطابق قضائے حاجت آبادی سے دور جا کر کیا کرتے تھے۔ اس سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی کہ بیت الخلاء ہمارے گھر کے قریب بنا دیئے جائیں۔ خیر میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لیے روانہ ہوئے۔ وہ ابورہم بن عبد مناف کی بیٹی تھیں اور ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی تھیں۔ اس طرح وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ ہوتی ہیں۔ ان کے لڑکے مسطح بن اثاثہ ہیں۔ قضائے حاجت کے بعد جب ہم گھر واپس آنے لگے تو مسطح کی ماں کا پاؤں انہیں کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا۔ اس پر ان کی زبان سے نکلا مسطح برباد ہو، میں نے کہا تم نے بری بات کہی، تم ایک ایسے شخص کو برا کہتی ہو جو غزوہ بدر میں شریک رہا ہے۔ انہوں نے کہا، واہ اس کی باتیں تو نے نہیں سنی؟ میں نے پوچھا: انہوں نے کیا کہا ہے؟ پھر انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی باتیں بتائیں، میں پہلے سے بیمار تھی ہی، ان باتوں کو سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا، پھر جب میں گھر پہنچی اور رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے تو آپ نے سلام کیا اور دریافت فرمایا کہ کیسی طبیعت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اپنے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت دیں گے؟ میرا مقصد ماں باپ کے یہاں جانے سے صرف یہ تھا کہ اس خبر کی حقیقت ان سے پوری طرح معلوم ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے جانے کی اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ میں نے والدہ سے پوچھا کہ یہ لوگ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی صبر کرو، کم ہی کوئی ایسی حسین و جمیل عورت کسی ایسے مرد کے نکاح میں ہو گی جو اس سے محبت رکھتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر بھی وہ اس طرح اسے نیچا دکھانے کی کوشش نہ کریں۔ بیان کیا کہ اس پر میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا اس طرح کا چرچا لوگوں نے

بھی کر دیا؟ انہوں نے بیان کیا کہ اس کے بعد میں رونے لگی اور رات بھر روتی رہی۔ صبح ہو گئی لیکن میرے آنسو نہیں تھمتے تھے اور نہ نیند کا نام و نشان تھا۔ صبح ہو گئی اور میں روئے جا رہی تھی اسی عرصہ میں نبی کریم ﷺ نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا کیونکہ اس معاملہ میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ آپ ان سے مجھے چھوڑ دینے کے لیے مشورہ لینا چاہتے تھے۔ کیونکہ وحی اترنے میں دیر ہو گئی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جس کا انہیں علم تھا کہ (آپ کی اہلیہ یعنی خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) اس تہمت سے بَری ہیں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو ان سے کتنا تعلق خاطر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی بیوی کے بارے میں خیر و بھلائی کے سوا اور ہمیں کسی چیز کا علم نہیں اور علی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے، عورتیں ان کے سوا اور بھی بہت ہیں، ان کی باندی (بریرہ) سے بھی آپ اس معاملہ میں دریافت فرمالیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور دریافت فرمایا: بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تجھ کو شبہ گزرا ہو؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں حضور! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس پر میں عیب لگا سکوں، ایک بات ضرور ہے کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھنے میں بھی سو جاتی ہیں اور اتنے میں کوئی بکری یا پرندہ وغیرہ وہاں پہنچ جاتا ہے اور ان کا گوندھا ہوا آٹا کھا جاتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کی شکایت کی۔ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے مسلمانو! ایک ایسے شخص کے بارے میں کون میری مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی اب میرے گھر پہنچ گئی ہے۔ اللہ کی قسم کہ میں اپنی بیوی کو نیک پاک دامن ہونے کے سوا کچھ نہیں جانتا اور یہ لوگ جس مرد کا نام لے رہے ہیں ان کے بارے میں بھی خیر کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔ وہ جب بھی میرے گھر میں گئے تو میرے ساتھ ہی گئے ہیں۔ اس پر سعد بن معاذ انصاری ﷺ اٹھے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا اور اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائیوں یعنی خزرج میں کا کوئی آدمی ہے تو آپ ہمیں حکم دیں، تعمیل میں کوتاہی نہیں ہو گی۔ راوی نے بیان کیا کہ: اس کے بعد سعد بن عبادہ ﷺ کھڑے ہوئے، وہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، اس سے پہلے وہ مرد صالح تھے لیکن آج ان پر قومی حمیت غالب آ گئی تھی (عبد اللہ بن ابی ابن سلول منافق) ان ہی کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ انہوں نے اٹھ کر سعد بن معاذ ﷺ سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے غلط کہا ہے۔ تم اسے قتل نہیں کر سکتے، تم میں اس کے قتل کی طاقت نہیں ہے۔ پھر اسید بن

حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے وہ سعد بن معاذ کے چچیرے بھائی تھے انہوں نے سعد بن عبادہ سے کہا کہ اللہ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو، ہم اسے ضرور قتل کریں گے، کیا تم منافق ہو گئے ہو کہ منافقوں کی طرفداری میں لڑتے ہو؟ اتنے میں دونوں قبیلے اوس و خزرج اٹھ کھڑے ہوئے اور نوبت آپس ہی میں لڑنے تک پہنچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ ممبر پر کھڑے تھے۔ آپ لوگوں کو خاموش کرنے لگے۔ آخر سب لوگ چپ ہو گئے اور نبی کریم ﷺ بھی خاموش ہو گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: اس دن بھی میں برابر روتی رہی نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ نیند آتی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب (دوسری) صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس ہی موجود تھے، دو راتیں اور ایک دن مجھے مسلسل روتے ہوئے گزر گیا تھا۔ اس عرصہ میں نہ مجھے نیند آتی تھی اور نہ آنسو تھمتے تھے۔ والدین سوچنے لگے کہ کہیں روتے روتے میرا دل نہ پھٹ جائے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ابھی وہ اسی طرح میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی کہ قبیلہ انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی، وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں۔ ہم اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا کہ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی اس وقت سے اب تک نبی کریم ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، آپ نے ایک مہینہ تک اس معاملہ میں انتظار کیا اور آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ انہوں نے بیان کیا کہ بیٹھنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے خطبہ پڑھا پھر فرمایا، امابعد! اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے اس اس طرح کی خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بَری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری براءت خود کر دے گا۔ لیکن اگر تم سے غلطی سے گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے دعائے مغفرت کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور پھر اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو یکبارگی میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے جیسے ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو۔ میں نے اپنے والد (ابو بکر) سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئیے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں کیا کہنا ہے۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی باتوں کا میری طرف سے آپ جواب دیں۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں آپ سے کیا عرض کروں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں خود ہی بولی میں اس وقت نوعمر لڑکی تھی، میں نے بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا (میں نے کہا کہ) اللہ کی قسم! میں تو یہ جانتی ہوں کہ ان افواہوں کے متعلق جو کچھ آپ لوگوں نے سنا ہے وہ آپ لوگوں کے دل میں جم گیا ہے اور آپ لوگ اسے صحیح سمجھنے لگے

ہیں، اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں ان تہمتوں سے بَری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں واقعی بَری ہوں، تو آپ لوگ میری بات کا یقین نہیں کریں گے، لیکن اگر میں تہمت کا اقرار کرلوں، حالانکہ اللہ کے علم میں ہے کہ میں اس سے قطعاً بَری ہوں، تو آپ لوگ میری تصدیق کرنے لگیں گے۔ اللہ کی قسم! میرے پاس آپ لوگوں کے لیے کوئی مثال نہیں ہے سوائے یوسف کے والد کے اس ارشاد کے کہ انہوں نے فرمایا تھا "فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون" (یعنی: صبر ہی اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے گا) بیان کیا کہ پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کرلیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ کہا کہ مجھے پورا یقین تھا کہ میں بَری ہوں اور اللہ تعالیٰ میری براءت ضرور کرے گا لیکن اللہ کی قسم! مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی۔ میں اپنی حیثیت اس سے بہت کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں (قرآن مجید کی آیت) نازل فرمائے۔ البتہ مجھے اس کی توقع ضرور تھی کہ نبی کریم ﷺ میرے متعلق کوئی خواب دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ میری برات کردے گا۔ بیان کیا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی اسی مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور ابھی گھر والوں میں سے کوئی باہر بھی نہ نکلا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور وہی کیفیت آپ ﷺ پر طاری ہوئی تھی جو وحی کے نازل ہوتے ہوئے طاری ہوتی تھی یعنی آپ ﷺ پسینے پسینے ہوگئے اور پسینہ موتیوں کی طرف آپ کے جسم اطہر سے ڈھلنے لگا حالانکہ سردی کے دن تھے۔ یہ کیفیت آپ پر اس وحی کی شدت کی وجہ سے طاری ہوتی تھی جو آپ پر نازل ہوتی تھی۔ بیان کیا کہ پھر جب نبی کریم ﷺ کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ تبسم فرمارہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا، یہ تھا کہ عائشہ! اللہ نے تمہیں بَری قرار دیا ہے۔ میری والدہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے (آپ کا شکر ادا کرنے کے لیے) کھڑی ہو جاؤ۔ بیان کیا کہ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہرگز آپ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور اللہ پاک کے سوا اور کسی کی تعریف نہیں کروں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو آیت نازل کی تھی وہ یہ تھی "إن الذين جاءوا بالإفك عصبة منكم لا تحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم" (بے شک جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ تم میں سے ایک چھوٹا سے گروہ ہے، تم اسے برا مت جانو بلکہ اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے) مکمل دس آیتوں تک۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں میری برات میں نازل کردیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کے اخراجات، ان سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے خود اٹھایا کرتے تھے انہوں نے ان کے متعلق کہا کہ اللہ کی قسم! اب مسطح پر کبھی کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا۔ اس نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) پر کیسی کیسی تہمتیں لگادی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

کی "ولا یأتل أولو الفضــل منکم والســعة أن یؤتوا أولي القربی والمســاکین والمھاجرین في ســبیل الله ولیعفوا ولیصـــفحوا ألا تحبون أن یغفر الله لکم والله غفور رحیم"(جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں، وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کی مدد دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ چاہئے کہ ان کی لغزشوں کو معاف کرتے رہیں اور در گزر کرتے رہیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا ہی رحمت والا ہے۔) ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے، ہاں اللہ کی قسم! میری تو یہی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے چنانچہ مسطح رضی اللہ عنہ کو وہ تمام اخراجات دینے لگے جو پہلے دیا کرتے تھے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! اب کبھی ان کا خرچ بند نہیں کروں گا۔ عائشہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی میرے معاملہ میں پوچھا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ زینب! تم نے بھی کوئی چیز کبھی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے کان اور میری آنکھ کو اللہ سلامت رکھے، میں نے ان کے اندر خیر کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ازواج مطہرات میں وہی ایک تھیں جو مجھ سے بھی اوپر رہنا چاہتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے انہیں تہمت لگانے سے محفوظ رکھا۔ لیکن ان کی بہن حمنہ ان کے لیے لڑتی رہی اور تہمت لگانے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو گئی)[1]۔

---

(1) صحیح بخاری، کتاب تفسیر سورۃ النور، باب (لولا إذا سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات...)۸/۳۶۷-۳۴۳، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب حدیث الإفک ۱۷/۱۰۲

تمہید

1) افک کی لغوی واصطلاحی تعریف:

افک کی لغوی تعریف: وہ چیز جسے اس کی حقیقی شکل وصورت سے پھیر دی گئی ہو، اسی سے مؤتفکۃ ماخوذ ہے جو ہوا کے زور پر الٹ دی جانے والی بستیوں کو کہتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَٱلْمُؤْتَفِكَٰتُ بِٱلْخَاطِئَةِ ۝٩﴾ [سورة الحاقة:9].

ترجمہ: اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں، انہوں نے بھی غلطیاں کیں۔

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿وَٱلْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۝٥٣﴾ [سورة النجم:53].

ترجمہ: اور مؤتفکہ (شہر یا الٹی ہوئی بستی) کو اسی نے الٹ دیا۔

مزید اللہ کا ارشاد ہے: ﴿يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝٩﴾ [سورة الذاريات:9].

ترجمہ: اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔

یعنی عقیدے میں حق سے باطل کی طرف پھیرے جاتے ہیں، گفتگو میں سچائی سے جھوٹ کی طرف موڑے جاتے ہیں، اور کام میں بہتری سے بدتری کی طرف پلٹے جاتے ہیں، اسی سے اللہ تعالی کا یہ قول بھی ہے:

﴿لِتَأْفِكَنَا عَنْ ءَالِهَتِنَا﴾ [سورة الأحقاف:22].

ترجمہ: کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں تا کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پرستش) سے باز رکھیں۔

معلوم ہوا کہ لغت میں افک پھیرنے، پلٹنے، جھوٹ بولنے، محروم کرنے، اختلاف، دھوکہ وفریب، کمزوری اور روکنے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے[1]۔

افک کی اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں اِفک کی مختلف تعریف کی گئی ہے، چند تعریفات حسب ذیل ہیں:

ا- ہر وہ چیز جسے اس کی حقیقی صورت حال سے پھیر دی گئی ہو[2]۔

---

(1) المفردات فی غریب القرآن: 19-20، لسان العرب: 1/166-167، القاموس المحیط: 1203

(2) المفردات فی غریب القرآن: ۱۹-۲۰، الکلیات: ۱۵۳، الموسوعۃ الفقہیۃ: ۵/۲۹۹-۳۰۰

۲- قرآن میں جہاں بھی افک آیا ہے، اس سے مراد کذب اور جھوٹ ہے[1]۔

۳- فقہاء کہتے ہیں کہ: افک، جھوٹ اور تہمت سے کہیں بڑھ کر ہے، یا وہ ایسا بہتان ہے جسے آپ اس وقت تک محسوس نہیں کرتے جب تک کہ اسے آپ کی طرف منسوب نہ کر دیا جائے[2]۔

۴- درست عقیدہ کو باطل کی طرف پھیرنا، یا سچی بات کو جھوٹ کی طرف موڑنا، یا اچھے کام کو برے کام کی طرف منسوب کرنا[3]۔

۵- مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ افک سے مراد وہ جھوٹ اور بہتان ہے جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو متہم کیا گیا۔

واقعہ افک میں شریک ہونے والے مشہور لوگ: صحیح روایات میں مشہور ہے کہ جو لوگ اس تہمت میں شریک ہوئے اور اس سلسلے میں اپنی زبان کھولی وہ مسطح بن اثاثہ[4]، حسان بن ثابت[5]، حمنہ بنت جحش[6]، عبد اللہ بن ابی بن سلول

---

[1] المفردات فی غریب القرآن: ۱۹-۲۰، الکلیات: ۱۵۳

[2] الموسوعۃ الفقہیۃ: ۵/ ۲۹۹-۳۰۰

[3] المفردات فی غریب القرآن: ۱۹-۲۰

[4] مسطح بن اثاثہ بن عبد المطلب بن عبد مناف بن قصی المطلبی، ان کا نام عوف تھا، مسطح ان کا لقب تھا، ان کی والدہ ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ زاد بہن تھیں، ان کے والدین پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ رشتہ داری کی وجہ سے ان کا نان ونفقہ اٹھاتے تھے، لیکن جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے تعلق سے زبان درازی کرنے والوں میں وہ بھی شامل ہو گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ ان کا نان ونفقہ بند کر دیں گے، اس مناسبت سے سورۃ نور کی یہ آیت ۲۲ نازل ہوئی: (تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہیں کھانا چاہئے)۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر ان کا نفقہ اٹھانے لگے، صحیحین میں آیا ہے کہ مسطح کو بہتان بازی میں شریک ہونے کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے، ان کی وفات سنہ ۳۴ھ میں خلافت عثمانیہ کے دوران ہوئی، ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ خلافت علی رضی اللہ عنہ تک باحیات رہے، ان کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے اور اسی سال سنہ ۳۷ھ میں وفات پائے۔ دیکھیں: الاصابۃ: ۳/ ۴۰۸-۴۰۹

[5] حسان بن ثابت بن المنذر بن حزام الانصاری، الخزرجی، النجاری، ابو الولید، ابو عبد الرحمن، شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۶۰ سال زمانہ جاہلیت میں گزاری، اور ۶۰ سال زمانہ اسلام میں، ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ دیکھیں: الاصابۃ: ۲/ ۶۲-۶۴، دیوان حسان بن ثابت، تحقیق: ڈاکٹر سید حنفی حسین: ۲۸

[6] حمنہ بنت جحش بن رباب بن یعمر الاسدیہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ زینب بنت جحش کی بہن ہیں، انہوں نے ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت لی، ان کا شمار ان صحابیات میں ہوتا ہے جنہوں نے جنگ بدر میں شریک ہو کر پیاسوں کو پانی پلایا، زخمیوں کو مرہم پٹی لگایا اور ان کا علاج

ہیں[1]، اسی نے اس تہمت کو نشر کیا اور اس کے ایک بڑے حصے کو سر انجام دیا، وہ کہا کرتا تھا: (رب کعبہ کی قسم صفوان نے عائشہ کے ساتھ کار بد کی) (نہ عائشہ صفوان سے بری ہوئی اور نہ صفوان عائشہ سے بری ہوا) (تمہارے نبی کی بیوی نے ایک اجنبی شخص کے ساتھ شب باشی کی)[2]۔[3]۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کن پر حد نافذ ہوا، ایک قول یہ ہے کہ: نبی ﷺ نے تہمت کے معاملے میں دو مرد اور ایک عورت کو کوڑے لگائے، اور وہ مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم ہیں، جب کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ: عبد اللہ بن ابی، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو کوڑے لگائے گئے، اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہا کو کوڑے اس نہیں لگے کہ انہوں نے کھل کر تہمت نہیں لگائی تھی لیکن وہ اس گفتگو کو سنتے اور بغیر واضح کئے ہوئے نشر کرتے تھے، جب کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی کوڑے نہیں لگایا۔ ان تمام اقوال میں راجح، تمام روایتوں میں مشہور[4] اور علماء کے نزدیک معروف یہ ہے کہ جن لوگوں کو کوڑے لگائے گئے وہ حسان، مسطح اور حمنہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ عبد اللہ بن ابی کو کوڑے لگانے کی کوئی روایت نہیں ہے، اس کی تائید حضرت عائشہ

معالجہ کیا، انہوں نے احادیث بھی روایت کی، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی، جب غزوہ احد میں ان کی وفات ہوگئی تو اس کے بعد طلحہ بن عبید اللہ نے ان سے شادی کی، ان سے محمد الشجاذ اور عمران پیدا ہوئے، واقعہ افک میں حمنہ بنت جحش کا تذکرہ آتا ہے۔ دیکھیں: الاصابۃ: ۴/ ۲۷۵

[1] عبد اللہ بن ابی ابن مالک بن الحارث بن عبید بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن الخزرج، ابن سلول المنافق کے نام سے مشہور و معروف ہے، وہ ایک ایسا سردار تھا جس کی اطاعت کی جاتی تھی، نبی ﷺ کی ہجرت سے قبل مدینہ کے باشندوں نے اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہا لیکن معاملہ کمزور پڑ گیا پھر نہ اسے دنیا مل سکی اور نہ آخرت، موت کے بعد نبی ﷺ نے اسے اپنا قمیص پہنایا، اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اور اس کے لئے دعاء مغفرت فرمائی، اس کے لڑکے کے احترام میں، اس پر سورۃ توبہ کی آیت ۸۹ نازل ہوئی: (ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں)۔ اس کی وفات سنہ ۹ھ میں ہوئی۔ دیکھیں: سیر اعلام النبلاء للامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، مؤسسۃ الرسالۃ ط ۱۴۲۲، ۱۱ھ - ۲۰۰۱ء: ۱/ ۲۵۰-۲۷۰

[2] فتح الباری: ۸/ ۴۷۳-۴۷۴، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۲/ ۱۸۷

[3] اس سے اس دعوی کا بطلان واضح ہو جاتا ہے کہ جس نے اس تہمت کو نشر کیا اور اس کے ایک بڑے حصے کو سر انجام دیا وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، کیوں کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جس نے اس کے بڑے حصے کو سر انجام دیا وہ عبد اللہ بن ابی ہے۔

[4] الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۱۲/ ۱۷۸

رضی اللہ عنہا کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ: (جب میری براءت نازل ہوئی تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے، اس کا تذکرہ فرمایا اور قرآن کی تلاوت کی، جب منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک عورت کو کوڑے لگانے کا حکم دیا اور ان کے نام ذکر فرمائے: حسان، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش)[1]۔

(عبد اللہ بن ابی کو کوڑے اس لئے نہیں لگائے گئے کہ اللہ نے اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے، اگر اسے دنیا میں سزا دی جاتی تو آخرت کے عذاب میں کمی اور خفت آجاتی، کیوں کہ اللہ تعالی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور تمام افتراپردازوں کی کذب بیانی کی گواہی دی، اس سے کوڑے لگانے کا یہ فائدہ سمجھ میں آتا ہے کہ بہتان بازوں کی کذب بیانی اور جن پر تہمت لگائی گئی ان کی براءت واضح ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾﴾ [سورة النور:13].

ترجمہ: جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقینا اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔

ان مسلمانوں کو کوڑے اس لئے لگائے گئے تاکہ انہوں نے بہتان بازی کا جو گناہ کیا ہے، وہ مٹ جائے، اور آخرت میں اس کی سزا سے انہیں دوچار نہ ہونا پڑے، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ عبد اللہ بن ابی کو اس کی قوم کی دلجوئی اور اس کے بیٹے کے احترام میں کوڑے نہیں لگائے گئے[2]، اور ایسا اس لئے بھی کیا گیا تاکہ اس فتنہ کی سرکوبی کی جاسکے جس کا خدشہ تھا اور جس کے شعلے بھڑکنے شروع ہو گئے تھے)[3]۔

---

[1] الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۱۲/۱۷۸-۱۸۸، فتح القدیر: ۴/۱۱-۱۶، أضواء البیان: ۶/۱۵۹-۱۶۶، روائع البیان للصابونی: ۲/۵۹-۱۲۴

[2] الجامع لأحکام القرآن: ۱۲/۱۸

[3] جیسا کہ صحیح حدیث کے اندر آیا ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کی شکایت کی۔ راوی نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے مسلمانو! ایک ایسے شخص کے بارے میں کون میری مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی اب میرے گھر پہنچ گئی ہے۔ اللہ کی قسم کہ میں اپنی بیوی کو نیک پاک دامن ہونے کے سوا کچھ نہیں جانتا اور یہ لوگ جس مرد کا نام لے رہے ہیں ان کے بارے میں بھی خیر کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔ وہ جب بھی میرے گھر میں گئے تو میرے ساتھ ہی گئے ہیں۔ اس پر سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا اور اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی گردن اڑادوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائیوں یعنی قبیلہ خزرج کا کوئی آدمی ہے تو آپ ہمیں حکم دیں، تعمیل میں کوتاہی نہیں ہو گی۔ راوی نے بیان کیا کہ: اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، وہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، اس سے پہلے وہ مرد صالح تھے لیکن آج ان پر قومی حمیت غالب آگئی تھی۔ انہوں نے اٹھ کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے۔ تم اسے قتل نہیں کر

2) تہمت لگانے والوں پر تہمت کی سنگینی:

اللہ تعالی نے یہ خبر دی ہے کہ جو لوگ پاک باز اور پاک دامن خواتین پر زنا کی تہمت لگاتے اور انہیں بدکاری سے متہم کرتے ہیں، جب کہ وہ اس بہتان اور تہمت سے نا آشنا رہتی ہیں، ایسے لوگ جو آزاد اور پاک دامن باعزت عورتوں پر زبان تہمت دراز کرتے ہیں، ان پر اللہ نے اس تہمت کی وجہ سے لعنت بھیجی ہے اور انہیں اپنی رحمت سے محروم فرمایا ہے، ان کے لئے دردناک عذاب لازم قرار دیا ہے، دنیا میں کوڑے کی سزا اور آخرت میں جہنم کی سزا[1]۔ کیوں کہ انہوں نے ان مومنہ خواتین کے تئیں جرم اور گناہ کا ارتکاب کیا، اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے اعضاء وجوارح، ان کی زبان، ان کے ہاتھ اور پاؤں - قیامت کے دن - ہولناکی کے عالم میں ان کی بہتان بازی کی گواہی دیں گے، انہیں اس وقت بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جب بھری محفل میں ان کا راز فاش کیا جائے گا، وہ احکم الحاکمین سے اپنے کئے کا مبنی بر انصاف بدلہ پائیں گے، وہ احکم الحاکمین جس کی نظر سے ذرہ برابر عمل بھی اوجھل نہیں، وہ اس دن جان لیں گے کہ اللہ عدل پسند ہے، کسی بندہ پر ظلم کو روا نہیں رکھتا، کیوں کہ وہ واضح کر دینے والا حق ہے جو ہر انسان کے سامنے اس کا نامہ اعمال کھول کر رکھ دیگا اور اس کی بنیاد پر منصفانہ بدلہ دے گا[2]۔

تہمت کے تعلق سے مسلمانوں کا موقف:

اللہ فرماتا ہے: ﴿لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا۟ هَٰذَآ إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾﴾

[سورة النور:12].

سکتے، تم میں اس کے قتل کی طاقت نہیں ہے۔ پھر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے وہ سعد بن معاذ کے چچیرے بھائی تھے انہوں نے سعد بن عبادہ سے کہا کہ اللہ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو، ہم اسے ضرور قتل کریں گے، کیا تم منافق ہوگئے ہو کہ منافقوں کی طرفداری میں لڑتے ہو؟ اتنے میں دونوں قبیلے اوس وخزرج اٹھ کھڑے ہوئے اور نوبت آپس ہی میں لڑنے تک پہنچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ ممبر پر کھڑے تھے۔ آپ لوگوں کو خاموش کرنے لگے۔ آخر سب لوگ چپ ہوگئے اور نبی کریم ﷺ بھی خاموش ہوگئے۔"۔ اسے امام بخاری نے کتاب تفسیر سورۃ النور میں باب لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات ... کے تحت روایت کیا ہے: ۸/ ۳۴۳-۳۶۷

[1] آخرت کی سزا ان کے لئے ہے جو کفر یا نفاق کی حالت میں بغیر سچی توبہ کے فوت ہو جائے، لیکن وہ مومن جو کسی پر بہتان لگائے اور اس کی سزا میں اس پر کوڑے لگائے جائیں اور وہ سچے دل سے توبہ کرلے تو اللہ اسے آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

[2] الجامع لأحکام القرآن: ۱۲/ ۱۷۵، فتح القدیر: ۴/ ۱۱، أضواء البیان: ۶/ ۱۵۹-۱۶۶، روائع البیان: ۲/ ۵۹-۱۲۴

ترجمہ: اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے۔

اس آیت کے اندر اللہ تعالی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصہ کے ذریعہ ادب سکھایا ہے، جب لوگ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تہمت کے سلسلے میں چرچا اور گفت وشنید کرنے لگے، اس بارے میں اللہ نے وضاحت فرمائی کہ جس بات سے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو متہم کیا گیا تھا، اگر وہ اس بات کو اپنی طرف منسوب کر کے دیکھتے تو انہیں اپنے لئے یہ ناگوار معلوم ہوتی، چنانچہ ام المومنین تو بدرجہ اولی اس سے بری ہونے کا حق رکھتی ہیں، حقیقی مومن وہی ہے جو تہمت اور دشنام طرازی کی باتیں سننے کے بعد بھی دوسروں کے بارے میں اچھا خیال رکھتا ہے تاکہ وہ اس جرم کا شکار نہ ہو جائے جس کے شکار وہ لوگ ہوئے جنہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں زبان درازی کی، اس لئے مسلمان پر یہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے تئیں اسی طرح حسن ظن رکھے جس طرح اپنے تئیں رکھتا ہے[1]۔

3) رکن کی لغوی واصطلاحی تعریف:

رکن کی لغوی تعریف:

کسی چیز کی طرف مائل ہونا اور جھکنا، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَرْكَنُوٓاْ إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ ﴾ [سورۃ ھود:113].

ترجمہ: دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا۔

کسی چیز کو ترک نہ کرنا، رکن مضبوط گوشہ اور جس سے قوت حاصل کی جاتی ہے اس کو بھی کہتے ہیں جیسے بادشاہ اور فوج وغیرہ۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِۦ ﴾ [سورة الذاريات:39]. ترجمہ: اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا۔

اس کی جمع ارکان ہے، انسان کی طرف رکن کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد اس کی قوت وطاقت ہوتی ہے، پہاڑ اور محل کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا گوشہ مراد ہوتا ہے، آدمی کا رکن اس کی قوم، اس کا ہتھیار اور مواد ہوتا ہے، اللہ فرماتا ہے:

---

[1] الجامع لأحكام القرآن: ۱۲/ ۱۷۵-۱۸۸، فتح القدير: ۴/ ۱۱-۱۶، أضواء البيان: ۶/ ۱۵۹-۱۶۶، روائع البيان: ۲/ ۵۹-۱۲۴

﴿قَالَ لَوۡ أَنَّ لِي بِكُمۡ قُوَّةً أَوۡ ءَاوِيٓ إِلَىٰ رُكۡنٖ شَدِيدٖ ٨٠﴾ [سورة هود:80].

ترجمہ: لوط علیہ السلام نے کہا کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا۔

اس آیت میں رکن سے مراد بڑا آسرا ہے۔ رکن کا اطلاق عزت و شرف، طاقت و قوت، عظمت و وقار اور سنجیدگی ومتانت پر بھی ہوتا ہے، ارکان بولا جائے تو اعضاء وجوارح مراد ہوتے ہیں، ہر چیز کے ارکان اس کے وہ ستون ہوتے ہیں جن پر وہ قائم ہوتی ہے[1]۔

رکن کی اصطلاحی تعریف:

وہ جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس چیز کی حقیقت کا ایک حصہ ہو، جس چیز کو شریعت نے کسی چیز کے لئے رکن بنایا ہے، وہ اس چیز کا ایک حصہ ہے، چنانچہ جب رکن مفقود ہو گا تو شرعی طور پر وہ چیز بھی معدوم کے حکم میں ہو گی، رکن کے بغیر اس کا وجود متحقق نہیں ہو سکتا، چنانچہ قرآن کی تلاوت اور رکوع نماز کے ارکان ہیں، ان دونوں میں کوئی ایک بھی معدوم ہوا تو نماز بھی معدوم ہو گی، رکن کے بغیر نماز کا وجود ہی نہیں[2]۔

---

[1] لسان العرب: ۱/ ۱۱-۱۲، المصباح المنیر: ۱/ ۳۲۳، مختار الصحاح: ۱۵۵، تیسیر العزیز الحمید لسلیمان بن عبد الوہاب: ۷۳

[2] الموافقات للشاطبی: ۱/ ۱۷۸-۱۷۹

پہلا باب:

واقعہ افک ایمان کے ارکان پر مشتمل ہے

اس کے اندر پانچ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: ایمان کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مبحث: اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود پر ایمان لانا

تیسرا مبحث: توحید ربوبیت، اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید ربوبیت کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید ربوبیت کا ثبوت

چوتھا مبحث: توحید الوہیت، اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید الوہیت کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید الوہیت کا ثبوت

پانچواں مبحث: توحید اسماء وصفات، اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید اسماء وصفات کی لغوی واصطلاحی تعریف

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید اسماء وصفات کا ثبوت

پہلا مبحث:

ایمان کی لغوی واصطلاحی تعریف

ایمان کی لغوی تعریف:

ایمان، آمن یؤمن ایمانا کا مصدر ہے، لغت میں ایمان کے دو استعمالات ہیں[1]:

ا- جب وہ بذات خود متعدی ہو تو اس کے معنی امان دینے کے ہوتے ہیں، اللہ فرماتا ہے:

---

[1] الصحاح: ۵/ ۲۰۷۱، لسان العرب: ۱۳/ ۱۲، المفردات: ۲۶

﴿ ٱلَّذِىٓ أَطۡعَمَهُم مِّن جُوعٖ وَءَامَنَهُم مِّنۡ خَوۡفِۭ ۝٤ ﴾ [سورة قريش:4].

ترجمہ: جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر میں امن وامان دیا۔

امن، خوف کی ضد ہے۔

۲-جب وہ حرف بایالام کے ذریعہ متعدی بنے تو اس کے معنی تصدیق[1] کرنے کے ہوتے ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَمَآ أَنتَ بِمُؤۡمِنٖ لَّنَا ﴾ [سورة يوسف:17].

ترجمہ: آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے۔

یعنی میری بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔

ایمان کی اصطلاحی تعریف:

اہل سنت والجماعت نے ایمان کی تعریف یہ کی ہے کہ: ایمان اعتقاد اور قول وعمل کا نام ہے[2]۔

صحابہ اور ان کے بعد تابعین کا بھی یہی قول ہے، ان سے منقول ہے کہ ایمان[3]: (دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کا نام ہے)[4]۔

---

[1] النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر: ۱/۶۹-۷۱

[2] مناقب الشافعی للبیہقی: ۱/۳۸۵

[3] اس کے قائلین میں یہ نام سر فہرست ہیں: شافعی، مالک، احمد، ثوری، اوزاعی، حسن بصری، سفیان بن عیینۃ، طاووس، مجاہد، ابن المبارک، فضیل بن عیاض۔ دیکھیں: السنۃ للامام عبد اللہ: ۱/۳۱۰-۳۴۷، الایمان لابن ابی شیبۃ: ۵۶، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ: ۵/۸۸۶، شرح السنۃ للبغوی: ۱/۳۸-۳۹

[4] ایمان کے سلسلے میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں: ۱- یہ کہ ایمان صرف دل کی معرفت کا نام ہے، یہ جہمیہ کا قول ہے۔ ۲-زبان سے اقرار کا نام ایمان ہے، یہ کرامیہ کا قول ہے۔ ۳-دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے، یہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کا قول ہے۔ ۴-دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے، یہ حنفیہ کا قول ہے۔ ۵-عقیدہ، اقرار اور عمل کا نام ایمان ہے، یہ خوارج اور معتزلہ کا مذہب ہے، انہوں نے اہل سنت سے یہ اختلاف کیا ہے کہ ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی ہے، جب ایمان کا تھوڑا سا حصہ ختم ہو اتو اس کا پورا حصہ ہی ختم ہو جاتا ہے، دیکھیں: مقالات الاسلامیین: ۱/۲۱۳، التبصیر فی الدین: ۱۰۷-۱۰۸، الملل والنحل: ۱/۱۰۸-۱۱۳، اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین: ۸۷-۹۴، مشارق أنوار العقول للسالمی: ۲/۱۹۷، المسائل والرسائل للامام احمد: ۱/۸۰

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان کی تعریف یہ ہے کہ: دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کا نام ایمان ہے اور اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ اس تعریف میں اللہ پاک وبرتر کی ربوبیت و الوہیت اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان لانا بھی شامل ہے، اہل سنت اس بات کا اعتقاد جازم رکھتے ہیں کہ اللہ ہی تمام چیزوں کا پالنہار، مالک اور خالق ہے، وہی رازق ہے، موت وحیات اسی کی قدرت میں ہے، تمام مخلوقات کے بجائے اس کی ذات ہی تمام تر عبادتوں کا حقیقی مستحق ہے، ہر قسم کی عبادت، انکساری اور خشوع وخضوع اسی کے لئے خاص کئے جائیں، اللہ کمال، عظمت اور کبریائی کے تمام اوصاف سے متصف اور ہر طرح کے عیب ونقص سے پاک ہے۔

اللہ تعالی پر ایمان لانا چار امور پر مشتمل ہے[1]:

۱-اللہ پاک وبرتر کے وجود پر ایمان لانا۔

۲-اس کی ربوبیت پر ایمان لانا۔

۳-اس کی الوہیت پر ایمان لانا۔

۴-اس کے اسماء وصفات پر ایمان لانا۔

دوسرا مبحث:

اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود پر ایمان لانا

وجود باری تعالی پر ایمان لانا:

اہل سنت والجماعت -اللہ انہیں اپنے سایہ رحمت میں رکھے- کا منہج یہ ہے کہ اللہ کے وجود اور اس کی دلیل سے متعلق بحث ومباحثہ کرنے سے گریز کیا جائے، کیوں کہ یہ ایک حتمی امر ہے، جو انسان کی فطرت میں پیوست کر دی گئی ہے، کوئی بھی فرد بشر اس کا انکار نہیں کرتا، سوائے عہد قدیم کے دہریوں[2] اور دور جدید کے کمیونسٹوں اور ان کے ہمنواؤں کے۔

---

[1] شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۳۵۵، الروضۃ الندیۃ شرح العقیدۃ الواسطیۃ: ۱۵اع الأجوبۃ الأصولیۃ: ۱۶

[2] دہریہ: دہر کی طرف منسوب ہے، انہوں نے مخلوق کو خالق سے جدا کر دیا، اللہ نے ان کی صورت حال کو سورۃ جاثیہ کی آیت ۲۴ میں یوں بیان فرمایا: (انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے)۔ وہ ربوبیت کا انکار کرتے ہیں، ان کا ماننا ہے کہ بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور پیغام بھیجنا اللہ کے لئے ناممکن ہے، وہ کہتے ہیں کہ: یہ عقل کی روشنی میں ناممکن ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: کائنات کی کوئی ابتدا نہیں ہے، نیز ثواب وعقاب کا انکار کرتے ہیں، حلال وحرام میں کوئی تمیز

ہر چند کہ اللہ تعالی کے وجود پر ایمان لانا ایک فطری ضرورت ہے، پھر بھی اس کے دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ اور قسمیں مختلف ہیں، وجود باری تعالی کے دلائل کی درج ذیل قسمیں ہیں:

پہلی قسم: فطری دلیل:

فطرت کی دلیل انسانی نفوس کے اندر راسخ ہے، الایہ کہ اس میں تبدیلی واقع ہو جائے، اللہ تعالی کے اس فرمان کے مصداق کہ: ﴿ ۞ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي ٱللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ﴾ [سورة إبراهيم:10].

ترجمہ: ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا حق تعالی کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔

نیز یہ کہ: ﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ [سورة الروم:30].

ترجمہ: پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔ اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

حق تعالی کے وجود (کا علم) مخلوق کی فطرت میں ثبت کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے مذکورہ فرامین اور نبی ﷺ کی اس حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے: ((ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے))[1] یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام بھی اسی لئے مبعوث کئے گئے کہ توحید کو واضح کریں اور اللہ کی انفرادیت کو کھول کر بیان کریں، گویا فطرت کی دلیل ان تمام دلائل کی بنیاد ہے جو رب سبحانہ وتعالی کے وجود پر دلالت کرتے ہیں، یہ تمام دلائل اللہ کے وجود کی تائید اور اس کے اقرار کو ثابت کرتے ہیں، فطرت کی اس بنیادی دلیل کو ثابت کرنے کے لئے ذیل میں چند دلائل ذکر کئے جارہے ہیں:

أ- **انسان مصیبت اور ضرورت کے وقت اپنے خالق کی پناہ لیتا اور اسی سے رجوع کرتا ہے:** تمام بنی نوع آدم اپنی محتاجگی اور لاچاری کو محسوس کرتے ہیں، یہ احساس ایک فطری ضرورت ہے، کیوں کہ فقر ومحتاجگی ایسی صفت ہے جو ان کی ذات

نہیں کرتے، اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ کائنات کے اندر خالق ومخلوق اور کاریگر وکاریگری کی کوئی دلیل بھی ہے، وہ زمانہ ہی کو ہر ایک چیز کا سبب گردانتے ہیں، آخرت، جزا وسزا، اور حساب وکتاب کے منکر ہیں، اس کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ کہتا ہے کہ: خالق نے جب اجرام سماویہ کو متحرک شکل میں پیدا فرمایا تو اس پر کنٹرول نہ کر سکا۔ جب کہ دوسرا گروہ کہتا ہے: چیزوں کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ دیکھیں: الفصل فی الملل والنحل: ۱/ ۲۴۷، الملل والنحل: ۲/ ۶۱، إغاثۃ اللھفان: ۲/ ۶۱۲

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی فمات هل یصلی علیه: ۳/ ۲۱۹، مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، ۴/ ۲۰۴۷

میں رچی بسی ہے[1]، جب انسان کو-خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو- کوئی مصیبت درپیش ہوتی تو وہ اپنے خالق کی طرف دوڑتا اور صرف اسی کی پناہ طلب کرتا ہے، انسان کا اپنے رب کے تئیں اس محتاجگی اور لاچاری کو محسوس کرنا دراصل رب کے وجود کے احساس اور اس کے اقرار کا عکس ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ وَإِذَا مَسَّ ٱلْإِنسَـٰنَ ٱلضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۢبِهِۦٓ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُۥ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَآ إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُۥ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ ﴾ [سورة یونس:12].

ترجمہ: جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی- پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا، ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لئے اسی طرح خوشنما بنادیا گیا ہے۔

چنانچہ انسان کا اپنے رب سے رجوع و انابت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی فطرت میں پاک و برتر خالق اور پالنہار کے وجود کا اقراری ہے۔

ب- سب سے پہلے جس چیز کا مکلف بنایا گیا ہے وہ ہے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک سب سے پہلا واجبی عمل یہ ہے کہ انسان شہادتین کا اقرار کرے، جس کا مطلب ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت بجالائے، اس حقیقت کی مزید تاکید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رسولوں اور ان کی قوموں کے درمیان جو رسہ کشی تھی، اللہ تعالی نے اس کی بنیادی وجہ کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ ذَٰلِكُم بِأَنَّهُۥٓ إِذَا دُعِىَ ٱللَّهُ وَحْدَهُۥ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِۦ تُؤْمِنُوا۟ ۚ فَٱلْحُكْمُ لِلَّهِ ٱلْعَلِىِّ ٱلْكَبِيرِ ﴿١٢﴾ ﴾ [سورة غافر:12].

ترجمہ: یہ عذاب تمہیں اس لئے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے پس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔

اس سے فطرت کی دلیل اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالی اور اس کی ربوبیت کا اقرار ان کی فطرت میں راسخ نہ ہوتا تو سب سے پہلے انہیں اللہ کے وجود پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی، کیوں کہ عبادت میں توحید پر قائم رہنے کی دعوت دینا اللہ کے وجود اور اس کی ربوبیت پر ایمان لانے کی ایک شاخ ہے، اسی لئے اس کا مرتبہ وجود الہی پر ایمان لانے کے بعد آتا

---

[1] دیکھیں: درء تعارض العقل والنقل: ۸/ ۵۳۲-۵۳۳

ہے[1]۔ اگر اللہ تعالی کے وجود اور اس کی ربوبیت پر ایمان لانا انسانی فطرت میں داخل نہ ہوتا تو رسولوں کے مخالفین کے لئے یہ روا ہوتا کہ جب انہیں اللہ کے اس فرمان کی طرف بلایا جاتا کہ (صرف میری ہی عبادت کرو) تو وہ یہ کہہ دیتے کہ: ہم تو در اصل اس سے آشنا ہی نہیں ہے، بھلا یہ ہمیں حکم کیسے کر سکتا ہے، جب ایسا نہیں ہوا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ آشنائی ان کی فطرت میں جاگزیں تھی۔

ج- توحید ربوبیت کے ذریعہ مشرکوں پر یہ لازم ٹھہرانا کہ وہ توحید الوہیت کا اقرار کریں:

قرآن کریم میں یہ ثابت ہے کہ خالق ہی عبادت کا سچا حقدار ہے، جو ذات ہر قسم کی ظاہری و باطنی نعمتوں میں یکتا ہے وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ تمام معبودان باطلہ سے منہ موڑ کر اس کی ہی عبادت کی جائے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ فِرَٰشًا وَٱلسَّمَآءَ بِنَآءً وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِۦ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ [سورۃ البقرۃ:22].

ترجمہ: جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔

چنانچہ اللہ نے انہیں اس بات سے منع فرمایا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں یا اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کریں، یا کسی کو اس کا شریک وساجھی بنائیں، فرمایا: جس طرح تمہیں پیدا کرنے، تمہیں روزی دینے میں، تمہاری ملکیت رکھنے اور تم پر نعمتیں برسانے میں میرا کوئی شریک نہیں، اسی طرح تم بھی اطاعت اور عبادت کو صرف میرے لئے خالص رکھو، کسی مخلوق کو میرا شریک وساجھی نہ بناؤ، کیوں کہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ہر نعمت میری جانب سے ہے[2]۔

اگر مشرکین ربوبیت الہی کے قائل نہ ہوتے تو اس اقرار کے ذریعہ ان پر حجت نہ قائم کی جاتی، اسی اقرار کی وجہ سے رسولوں نے اپنی قوموں سے کہا: ﴿ ۞ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِى ٱللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ﴾ [سورة إبراهيم:10].

---

[1] درء تعارض العقل والنقل: ۳/ ۱۳۰، ۸/ ۴۱۹

[2] القواعد الحسان لتفسیر القرآن للسعدی: ۱۹۳

ترجمہ: کیا حق تعالی کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تو تمہیں اس لئے بلا رہا ہے کہ تمہارے تمام گناہ معاف فرمادے اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت عطا فرمائے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن مخلوقین کو اس کے ذریعہ مخاطب کیا گیا ہے ان کے نزدیک اللہ کے وجود میں کوئی شک نہیں ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وجود الہی کا اقرار ان کی فطرت میں ڈال دیا گیا ہے)[1]۔

د- شرعی دلائل اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ رب کا اقرار کیا جائے، اس کی توحید پر قائم رہا جائے اور اس سے محبت کی جائے:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتا، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں)۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس کی فطرت دین اسلام، خالق کی معرفت، اس کے اقرار اور اس کی محبت کا متقاضی ہے، صحیح روایات کے اندر فطرت کی تفسیر ملت سے کی گئی ہے[2]۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث کے ذریعہ بھی اس کی تاکید فرمائی ہے کیوں کہ آپ نے جب خارجی تاثیر سے فطرت کے تبدیل ہونے کا ذکر فرمایا تو یہ نہیں فرمایا کہ: (اس کے ماں باپ اسے مسلمان بنا دیتے ہیں) جو اس بات کی دلیل ہے کہ فطرت سے مراد اللہ کی معرفت اور اس کا اقرار ہے، اس کا مطلب ہے کہ فطرت یہ تقاضہ کرتی ہے، یہ تقاضہ صرف شرط -یعنی فطرت- کے وجود پر موقوف نہیں ہے بلکہ رکاوٹوں -خارجی تاثیر- کے فقدان پر موقوف ہے[3]۔

دوسری قسم: عقلی دلائل:

وہ عقلی دلائل جن سے رب سبحانہ وتعالی کا وجود ثابت ہوتا ہے، وہ یہ ہیں:

ا- یہ معلوم سی بات ہے کہ انسانی نفوس کو جب کسی چیز کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس پر آمادہ کیا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں ان کے اندر علم وارادہ پیدا ہوتے ہیں، یہ بھی ایک معلوم بات ہے کہ ہر انسان کے اندر یہ لیاقت موجود ہے کہ وہ حق کو جانے اور اس کا ارادہ کرے، یہ بھی معلوم ہے کہ صرف سکھانے اور آمادہ کرنے سے ہی علم اور ارادہ نہیں پیدا ہوتے، جب

---

[1] درء تعارض العقل والنقل: ۸/ ۴۴۱

[2] صحیح مسلم: ۴/ ۲۰۴۸، درء تعارض العقل والنقل: ۸/ ۳۸۳، جامع البیان للطبری: ۱۱/ ۲۱-۴۰

[3] دیکھیں: درء تعارض العقل والنقل: ۸/ ۴۵۴-۴۶۰

تک کہ خود انسان کے اندر قبول کرنے کی صلاحیت نہ پائی جاتی ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر چوپایوں اور جمادات کو اسی طرح سکھایا اور پڑھایا جائے تو ان کے اندر وہ تبدیلی نہیں آسکتی جو بنی نوع آدم کے اندر آتی ہے، اس کی وجہ دونوں مقامات پر یکساں ہے، وہ ہے قبول کرنے کی صلاحیت، یہی صلاحیت فطرت کا تقاضہ ہے، جو اس بات پر دال ہے کہ انسانی نفس کے اندر وہ صلاحیت موجود ہے جس کی بنیاد پر تمام ادیان عالم کے مقابلے میں وہ دین حق کو ترجیح دے۔

۲-ایک عقلی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:﴿ أَمۡ خُلِقُواْ مِنۡ غَيۡرِ شَيۡءٍ أَمۡ هُمُ ٱلۡخَٰلِقُونَ ﴿٣٥﴾﴾ [سورۃ الطور:35].

ترجمہ: کیا یہ (بغیر کسی پیدا کرنے والے کے) خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟

اس آیت میں توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کو ثابت کیا گیا ہے، اللہ ان سے سوال کرتا ہے کہ کیا وہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے ہیں؟ یا انہوں نے خود اپنی ذات کو پیدا کیا ہے؟ دونوں کا جواب ہے: نہیں، بلکہ اللہ نے انہیں عدم سے وجود میں لایا، اس کے بعد اللہ نے ان سے ایک اور سوال کیا: کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ یہ دراصل ان کے شرک کی تردید ہے جو وہ اللہ کے ساتھ کیا کرتے تھے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اللہ ہی تنہا خالق ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں، لیکن ان کی بے یقینی نے انہیں اس روش کا شکار کر دیا، اگر وہ اللہ کے وجود کے اقراری نہ ہوتے تو اللہ کے سوال کا جواب دے سکتے تھے، لیکن وہ اس لئے جواب نہ دے سکے کیوں کہ فطری طور پر وجود باری تعالی کے اقراری تھے[1]۔

قرآن کریم میں وجود باری تعالی کے عقلی دلائل بکثرت موجود ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود پر ایمان لانا راسخ ہے۔

---

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۴/ ۲۵۷

تیسرا مبحث:

توحید ربوبیت

اس میں دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید ربوبیت کی لغوی واصطلاحی تعریف

توحید لغت میں: وحّد الشيئ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو ایک بنانا، وحّد اللہ کے معنی ہوں گے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا، اس بنا پر جب بولیں گے وحّدت اللہ: تو اس کے معنی ہوں گے تم نے اللہ کی طرف وحدانیت کو منسوب کیا، نہ کہ تم نے اس کو ایک بنایا، کیوں کہ اللہ تعالی فی ذاتہ ایک ہے، نہ کہ کسی کے بنانے کی وجہ سے، فعل وحّد میں تشدید مبالغہ کے لئے آیا ہے[1]۔

توحید کی اصطلاحی تعریف[2]: اللہ تعالی کو ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات میں ایک اور منفرد ماننا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک توحید کی یہی تعریف ہے۔

لہذا توحید کی جو بھی تعریف اہل سنت والجماعت کی تعریف کے خلاف ہو گی وہ نا قابل قبول ہو گی، کیوں کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف ہو گی[3]۔

---

[1] دیکھیں: القاموس المحیط: ۴۱۴، المعجم الوسیط: ۲/ ۱۰۱۶، معجم مقاییس اللغۃ: ۶/ ۹۰

[2] دیکھیں: عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ علی منہج الکتاب والسنۃ: ۵۷، کتاب التوحید للشیخ محمد بن عبد الوہاب: ۸۱

[3] توحید کے تعلق سے لوگوں کے مختلف عقائد ہیں:

خوارج کے نزدیک: توحید کی تعریف میں یہ نقص ہے کہ وہ صفات کے انکار میں جہمیہ اور معتزلہ کے ہم مشرب ہیں۔

شیعہ کے نزدیک: توحید کے سلسلے میں یہ نقص ہے کہ وہ توحید الہی سے متعلق وارد نصوص کو اپنے اماموں کی ولایت سے مختص کرتے ہیں، اس طرح وہ اللہ کے خالص حق عبودیت کو غیر اللہ کے لئے روا ٹھہراتے ہیں۔

معتزلہ اور جہمیہ کے نزدیک: توحید کی تعریف میں صفات الہی کی نفی اور تعطیل پائی جاتی ہے۔

کرامیہ کے نزدیک: توحید یہ ہے کہ بندہ ایمان لے آئے، خواہ کوئی عمل کرے یا نہ کرے، کیوں کہ ان کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے۔

اشاعرہ کے نزدیک: توحید صرف توحید ربوبیت کا نام ہے، جس کی تعریف ہے: غور وفکر کے ساتھ اللہ کی معرفت حاصل کرنا اور غور وفکر کا قصد وارادہ کرنا۔

رب کی لغوی تعریف: لغت میں رب کا اطلاق آقا، مالک، تدبیر کار، مربی، کارساز اور محسن پر ہوتا ہے، اور جب بغیر اضافت کے استعمال ہو تو صرف اللہ تعالی ہی مراد ہوتا ہے[1]۔

رب کی اصطلاحی تعریف: پیدا کرنے، رزق دینے، زندگی و موت دینے، اور آسمان وزمین کی تدبیر اور اس میں تصرف کرنے میں اللہ کو تنہا اور ایک ماننا، نیز رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کے ذریعہ حکومت اور شریعت سازی میں اللہ کو منفرد جاننا[2]۔

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید ربوبیت کا ثبوت

۱- اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ جَآءُو بِٱلْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ ٱمْرِئٍ مِّنْهُم مَّا ٱكْتَسَبَ مِنَ ٱلْإِثْمِ ۚ وَٱلَّذِى تَوَلَّىٰ كِبْرَهُۥ مِنْهُمْ لَهُۥ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾﴾ [سورۃ النور:11].

ترجمہ: جو لوگ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں یہ بھی تم میں سے ہی ایک گروہ ہے، تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے، اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سر انجام دیا ہے اس کے لئے عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ جس واقعہ سے دوچار ہوئی، اگرچہ وہ ابتلاء وآزمائش کی شکل میں تھا، پھر بھی اس میں بہت سی بھلائیاں پنہاں تھیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی اس مصیبت پر صبر اور اللہ پر حسن توکل کا مظاہرہ کرکے نہایت ہی بڑا مقام حاصل کیا، اللہ نے ان کی براءت میں قرآن نازل فرمایا جس کی تلاوت کے ذریعہ ہمیشہ عبادت کی جاتی

ماتریدیہ کے نزدیک: توحید یہ ہے کہ اللہ کے اسماء وصفات کی حقیقت کا انکار کیا جائے، کیوں کہ ان کے نزدیک واحد ویکتا وہ ہے جس کا کوئی جسم نہ ہو، کیوں کہ ان کی نظر میں جسم کم از کم دو جوہر (عنصر اور مادہ) سے مرکب ہوتا ہے، جو کہ یکتائی اور وحدت کے خلاف ہے۔

وحدۃ الوجود کے قائلین کے نزدیک: توحید صرف ایک چیز کا نام ہے، چنانچہ مومن وکافر، موحد اور مشرک، نیک وبد، منصف وظالم، شیطان کا سجدہ اور رحمن کا سجدہ یہ سب برابر ہیں، ان کے درمیان کوئی فرق نہیں، بلکہ تمام کے تمام یکساں ہیں، امام ابن القیم نے اس کی وضاحت کی ہے۔ دیکھیں: الکافی للکلینی:۱/۲۶۰-۲۶۱، شرح الاصول الخمسۃ:۱۲۸، الإرشاد للجوینی:۲۵-۴۰، لمع الأدلۃ:۱/۷۶، تحفۃ المرید:۸۸، التوحید للماتریدی:۳۳، ۱۱۹-۱۲۱، الرد علی الجہمیۃ لابن مندہ:۹، الصواعق المرسلۃ:۱/۱۹۹، ۳/۹۳۰-۹۳۱، منہاج السنۃ:۳/۴۶۲، نشأۃ الفکر الفلسفی فی الإسلام:۲/۲۹۷

(1) لسان العرب:۱/۳۹۹، القاموس المحیط:۱۱۱

(2) الفتاوی لشیخ الاسلام:۱۰/۳۳۱، مدارج السالکین:۱/۳۴، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ-للدویش:۱/۵۵

رہے گی، یہ آیت ہمارے سامنے اس حقیقت کی گرہ کشائی کرتی ہے کہ قضاء وقدر کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہر چند کہ لوگوں کا ایک گروہ اس معاملہ میں زبان درازی کرنے لگا تھا، تاہم یہ معاملہ تو اللہ کی طرف سے ہی مقدر کردہ تھا، اسی طرح اس سلسلے میں آیتیں نازل کرنا بھی اللہ سبحانہ وتعالی ہی کا فعل ہے، اللہ تعالی جب چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے، بولتا ہے، اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے تعلق سے یہ آتیں نازل فرمائی، جو کہ اللہ کا ایک فعل ہے، اللہ کا بندوں اور ان کے اعمال کو پیدا کرنا، اللہ کا اپنی ملکیت میں حسب منشا تصرف کرنا اور اپنے ارادہ کے مطابق معاملات زیست کی تدبیر کرنا، یہ سب اللہ کی وسیع ربوبیت میں داخل ہے۔

۲-اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِ لَمَسَّكُمۡ فِي مَآ أَفَضۡتُمۡ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ١٤﴾ [سورۃ النور:14].

ترجمہ: اگر اللہ تعالی کا فضل وکرم تم پر دنیا وآخرت میں نہ ہوتا تو یقینا تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالی نے دنیا میں ان کی توبہ وانابت کو قبول فرمایا اور اخروی معاملہ میں ان کے ایمان کی وجہ سے مغفرت فرمائی، یہ ان کی بات ہے جو مومن تھے، اور اس ایمان کی وجہ سے اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، لیکن جن منافقین نے اس معاملہ میں زبان درازی کی، وہ اس آیت سے مراد نہیں ہیں، کیوں کہ ان کے اندر ایمان نام کی کوئی چیز نہ تھی کہ وہ معاف کئے جاتے۔

اس سے اہل سنت والجماعت کا یہ مبنی بر حق مذہب واضح ہو جاتا ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر توبہ وانابت کرے تو اللہ عزیز وبرتر اس کے گناہ کو معاف فرماتا ہے، اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو اسے معاف کردے اور چاہے تو سزا سے دوچار کرے، لیکن اسے ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں کرے گا جیسا کہ گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے[(1)]۔

[(1)] اس مسئلہ میں سلف کی مخالفت کرنے والے فرقوں کے مختلف اقوال ہیں:

۱-خوارج کے تمام گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ بندہ گناہ سے کافر ہو جاتا ہے، موجودہ دور میں فرقہ اباضیہ بھی اس کا قائل ہے، اسی بنا پر ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا۔

۲-معتزلہ کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا۔

۳-اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ يَعِظُكُمُ ٱللَّهُ أَن تَعُودُواْ لِمِثۡلِهِۦٓ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلۡأٓيَٰتِۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ ﴾ [سورۃ النور:17-18].

ترجمہ: اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔ اللہ تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرمارہا ہے، اور اللہ تعالی علم وحکمت والا ہے۔

یہ آیتیں واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالی نے ہمیں وعید سناتے ہوئے منع فرمایا ہے (اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا) یہ اللہ کی منع کردہ ممانعت ہے، جو حکم شرعی میں داخل ہے، اور حکم شرعی توحید ربوبیت میں داخل ہے، پھر اللہ سبحانہ وتعالی نے شریعت اور تقدیر کے احکام بیان فرمائے ہیں اور یہ بھی توحید ربوبیت کے ضمن میں آتا ہے۔

یہ آیتیں اللہ تعالی کے چند افعال پر روشنی ڈالتی ہیں، جیسے تقدیر کونی اور تقدیر شرعی[1]، قرآن نازل کرنا، کائنات کی تدبیر کرنا، تخلیق کرنا، احسان ونوازش کرنا، تزکیہ اور مغفرت فرمانا، یہ تمام افعال توحید ربوبیت میں داخل ہیں، کیوں کہ اللہ سبحانہ

۳-اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

۴-شیعہ کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا، ان کے بعض گروہ مثلا امامیہ کا کہنا ہے کہ گناہوں سے اعمال ضائع وبرباد نہیں ہوتے۔

۵-جہمیہ کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا۔

دیکھیں: أصول الدین: ۲۴۹، الفقہ الاکبر مع شرحہ للقاری: ۳۰۴، المقالات: ۱/۲۰۴، تشابہ القرآن: ۱/۱۳۲-۱۳۳، اعتقادات فرق المسلمین: ۴۹، شرح الأصول الخمسۃ: ۶۳۲، مشارق الانوار: ۲/۱۳۸، دراسۃ فی تاریخ الاباضیۃ: ۸-۱۳، منہاج السنۃ: ۳/۴۶۲-۴۶۳، اقتضاء الصراط المستقیم: تحقیق ڈاکٹر العقل: ۱/۲۰۸

[1] تقدیر شرعی اور تقدیر کونی سے مراد یہ ہے کہ: اللہ تعالی کے ارادے کی دو قسم ہے: پہلی قسم: عمومی مشیئت کے معنی میں ہے، یہی تقدیر کونی ہے، یہ ارادہ مشیئت کے ہم معنی ہے، جو اس کائنات میں واقع ہونے والی ہر چیز کو شامل ہے، ارادہ کے اس قسم کی دلیلیں قرآن میں بہت زیادہ ہیں، جیسے سورۃ انعام آیت ۱۲۵ میں اللہ تعالی کا یہ فرمان: (سو جس شخص کو اللہ تعالی راستہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہئے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے)، اس ارادہ سے اللہ کی محبت لازم نہیں آتی اور نہ ہی یہ ارادہ محبت الہی کے ہم معنی ہے۔

دوسری قسم: وہ ارادہ جو محبت اور رضا کے معنی میں ہے، جیسے سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۸۵ میں اللہ تعالی کا یہ فرمان: (اللہ تعالی کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے) یہی شرعی اور دینی تقدیر ہے، اس ارادہ سے اللہ کی محبت، رضا اور حکم لازم آتے ہیں۔ دیکھیں: الفتاوی: ۸/۱۸۸-۱۹۰، منہاج السنۃ ط مکتبۃ الریاض الحدیثۃ: ۳/۹۰-۱۰۲

وتعالی پیدا کرنے اور حکم نازل کرنے میں منفرد ہے، اللہ پاک جیسے چاہتا ہے اپنی مخلوق کے تئیں فیصلہ لیتا ہے، اس فیصلہ میں مخلوق کا نفع ونقصان اور ان کے معاملات کی تدبیر بھی شامل ہیں، اللہ ہی نفع ونقصان کا مالک ہے، وہی معاملے کی تدبیر کرتا اور فیصلہ فرماتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قضاء وقدر پر ایمان لانا توحید ربوبیت کا حصہ ہے[1]۔

چوتھا مبحث:

توحید الوہیت

اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید الوہیت کی لغوی واصطلاحی تعریف:

الوہیت کی لغوی تعریف: لغت میں الہ معبود، آقا وسردار، محترم اور ماوی وملجا کو کہتے ہیں، گویا لغوی اعتبار سے الہ کا اطلاق اللہ عزوجل اور اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں پر بھی ہوتا ہے، لیکن اسم "اللہ" کا اطلاق سوائے عزیز وبرتر اللہ کے کسی اور پر نہیں ہوتا[2]۔

توحید الوہیت کی اصطلاحی تعریف: بندوں کے افعال کو صرف اللہ کے لئے خاص کرنے کا نام توحید الوہیت ہے، اس طرح کہ تمام تر عبادتوں کو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے مختص کیا جائے[3]، الوہیت نام ہے اس کا کہ تمام تر عبادتوں کو اللہ کی مراد کے مطابق انجام دیا جائے، اس میں غیر اللہ کی عبادت کا انکار اور اللہ کی عبادت کی بجاآوری دونوں ہی شامل ہیں۔

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید الوہیت کا ثبوت:

۱- اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فَأُوْلَٰٓئِكَ عِندَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلۡكَٰذِبُونَ ﴿١٣﴾﴾ [سورۃ النور:13].

ترجمہ: یہ بہتان باز لوگ یقینا اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔

نیز یہ کہ: ﴿وَتَحۡسَبُونَهُۥ هَيِّنٗا وَهُوَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمٞ ﴿١٥﴾﴾ [سورۃ النور:15].

ترجمہ: گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ تعالی کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔

---

[1] فتاوی ابن تیمیۃ: ۸/۵۸، شرح العقیدۃ الواسطیۃ لابن عثیمین: ۱۵

[2] معجم مقاییس اللغۃ: ۸۵-۸۶ لسان العرب: ۱/۱۸۸-۱۹۱

[3] التسعینیۃ لشیخ الإسلام: ۲۸، الرسائل الشخصیۃ، محمد بن عبد الوہاب: ۱۷۴، القول السدید فی مقاصد التوحید للسعدی: ۱۴

"اللہ" لفظِ جلالہ (اللہ کا نام) ہے بلکہ اہل سنت والجماعت کے بعض علماء کا ماننا ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑا نام (اسم اعظم) ہے[1]۔ کیوں کہ اس کے ذریعہ ہی اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اس نام سے کوئی مخلوق موسم نہیں ہو سکتی، اور نہ اس کے علاوہ کسی معبود کو اس نام سے پکارا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ راجح قرار دیا ہے کہ لفظ جلالہ (اللہ) مشتق ہے، ساتھ ہی مضبوط دلائل سے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ لفظ جلالہ مشتق نہیں ہے، اس کے مشتق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نام اللہ کی ایک صفت پر دلالت کرتا ہے اور وہ ہے صفت الوہیت، جیسے اللہ کے دیگر اسماء حسنی مختلف صفات پر دلالت کرتے ہیں، مثلا علیم، قدیر اور غفور، یہ تمام اسماء اپنے مصادر سے مشتق ہیں[2]۔ چنانچہ اللہ ہی وہ حقیقی معبود ہے جس کے لئے تمام تر عبادتیں مختص کی جانی چاہئے، اس بنیاد پر لا الہ الا اللہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔

۲- اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَٰنَكَ هَٰذَا بُهْتَٰنٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾﴾ [سورۃ النور:16].

ترجمہ: تم نے ایسی بات سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ اللہ تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تہمت ہے۔

---

[1] اللہ کے اسم اعظم کے تعیین کے سلسلے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

۱- ایک گروہ نے اس کا انکار کیا ہے، ان کے نزدیک اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ اسم اعظم کو ثابت کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالی کے بعض نام دیگر بعض ناموں سے افضل ہیں، اس کے قائلین میں طبری، اشعری، ابن حبان، باقلانی اور جنید شامل ہیں۔

۲- ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ: اللہ نے اس کا علم اپنے لئے خاص کر رکھا ہے اور اپنی کسی مخلوق کو اس سے باخبر نہیں فرمایا۔

۳- ایک گروہ نے اسم اعظم کو ثابت کیا اور اس کے تعیین کی، لیکن تعیین کے سلسلے میں ان کے بھی مختلف اقوال ہیں، چند اقوال یہ ہیں: لفظ (ھو) اللہ کا اسم اعظم ہے، یہ اہل کشف کی رائے ہے، جو کسی کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں ہے، دوسرا قول: لفظ "اللہ" اسم اعظم ہے، یا "اللہ الرحمن الرحین"، یا "الرحمن الرحیم الحی القیوم"، یا "الحی القیوم" یا "الحنان المنان بدیع السماوات والأرض ذوالجلال والاکرام الحی القیوم"، یا "بدیع السماوات والأرض ذوالجلال والإکرام"، یا "ذوالجلال والاکرام"، یا "اللہ لا الہ الا ھو الأحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا أحد"، یا "رب رب"، یا یونس علیہ السلام کی دعا، یا "اللہ الذی لا إلہ إلا ھو رب العرش العظیم"، یا کلمہ توحید۔ ان اقوال کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے۔ دیکھیں: درء التعارض: ۵/ ۳۴۹-۳۵۷، الفتاوی: ۱۰/ ۵۵۳-۵۶۷، ۱۸/ ۳۱۱، التوحید لابن مندہ: ۲/ ۲۱، تفسیر القرطبی: ۱/ ۱۰۲، مدارج السالکین: ۱/ ۵۵-۵۶، الصواعق المرسلۃ: ۳/ ۷۵۰-۷۵۱

[2] بدائع الفوائد: ۱/ ۲۶، تفسیر القرطبی: ۱/ ۱۰۲-۱۰۳، تفسر ابن کثیر: ۱/ ۲۰-۲۱

یہ آیت (سبحانک) کے ذریعہ اللہ تعالی کی تقدیس وپاکیزگی اور حمد وثنا کو واضح کرتی ہے، ذکر ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اللہ کے لئے ہی انجام دی جاسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ توحید الوہیت کا نام توحید عبادت اور توحید اطاعت بھی ہے۔

۳-اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾ ﴾ [سورۃ النور:22].

ترجمہ: تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھالینی چاہئے، بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہارے قصور معاف فرمادے؟ اللہ قصوروں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے۔

یہ آیت چند ایسی عبادتوں پر روشنی ڈالتی ہے جو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے انجام دی جانی چاہئے، جیسے رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نوازنا، صلہ رحمی، عفو ودرگزر اور معافی، یہ سب ایسی عبادتیں ہیں جو صرف اللہ تعالی کے لئے ہی انجام دی جانی چاہئے اور یہی توحید الوہیت ہے، بلکہ آیت کا منطوق اس بات پر دال ہے کہ جہاد اللہ کے لئے اور اللہ کی راہ میں کیا جانا چاہئے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمل اسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب وہ صرف اللہ کے لئے خالص ہو اور ساتھ ہی نبی ﷺ کی پیروی میں انجام دیا گیا ہو۔

پانچواں مبحث:

توحید اسماء وصفات

اس کے اندر دو مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: توحید اسماء وصفات کی لغوی واصطلاحی تعریف

اسم لغت میں[1]: بالائی وبلندی اور رفعت کو کہتے ہیں، جو لفظ معنی پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے، وہ فی نفسہ معنی پر دلالت نہیں کرتا، چنانچہ لغت میں اسم وہ ہے جو مسمی کی خبر دے، چیزوں کے اسماء سے مراد وہ الفاظ ہوتے ہیں جو ان پر دلالت کریں، بصریوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اسم سے مراد رفعت وبلندی ہے[2]۔

اسم کی اصطلاحی تعریف: اللہ تعالی کے خوبصورت اسماء سے مراد: وہ کلمات ہیں جو اللہ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور بغیر کسی تشبیہ وتمثیل کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ کے لئے ہر قسم کے اوصافِ کمال ہیں، اور اللہ کی ذات نقص وعیب کے تمام اوصاف سے پاک اور مبرا ہے[3]۔

---

[1] اشتقاق اسماء اللہ الحسنی: ۲۵۵، لسان العرب: ۱۴/ ۴۰۱، تہذیب اللغۃ: ۱۳/ ۱۷

[2] اسم کے سلسلے میں لوگوں کے مختلف آراء واقوال ہیں:

۱- اسم سے مراد مسمی ہے، یہ اکثر اہل حدیث کی رائے ہے، جیسے اللالکائی، بغوی وغیرہم، ابو الحسن اشعری کے اصحاب کی بھی ایک رائے یہی ہے، جیسے ابن فورک وغیرہ۔

۲- اسماء کی تین قسمیں ہیں: کبھی تو اسم ہی مسمی ہوتا ہے جیسے اسم موجود، کبھی اسم مسمی نہیں ہوتا جیسے خالق، اور کبھی نہ تو اسم مسمی ہوتا ہے اور نہ ہی کچھ اور، جیسے علیم اور قدیر جیسے اسماء، یہ اشعریہ کا قول ہے۔

۳- اسم سے مراد مسمی ہوتا ہے، اس معنی کو اکثر اہل سنت نے اختیار کیا ہے، جیسے امام احمد، ابن تیمیہ اور ابن القیم وغیرہ۔

۴- اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا جائے، کیوں کہ دونوں ہی قول بدعت ہے، خواہ اسم کو مسمی مانیں، یا اسم کو غیر مسمی مانیں، یہ بعض اہل سنت کی رائے ہے۔

۵- جہمیہ کہتے ہیں کہ اسم، ذات سے الگ چیز ہے۔ دیکھیں: المقالات: ۱/ ۲۰۳، شرح اعتقاد اہل السنۃ للالکائی: ۲/ ۲۰۴، مجموع الفتاوی: ۶/ ۱۸۶، معالم التنزیل للبغوی: ۱/ ۵۰، الحجۃ فی بیان المحجۃ: ۲/ ۱۶۲، الرد علی من أنکر الحرف والصوت: ۱۷۹

[3] الفتاوی: ۶/ ۷۹-۳، بدائع الفوائد: ۱/ ۱۵۹-۱۷۰، الماتریدیۃ وموقفہم من توحید الاسماء والصفات للافغانی: ۲/ ۴۰۰

اس تعریف سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اسم سے مراد مسمی ہے، اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے[1]، جو اللہ کے اس فرمان کے موافق ہے: ﴿وَلِلَّهِ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ فَٱدۡعُوهُ بِهَاۖ﴾ [سورۃ الأعراف:180].

ترجمہ: اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔

نیز یہ کہ: ﴿أَيًّا مَّا تَدۡعُواْ فَلَهُ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰۚ﴾ [سورۃ الإسراء:110].

ترجمہ: جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔

رسول ﷺ کی اس حدیث سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی ہے: (اللہ کے ننانوے نام ہیں، جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہو گا)[2]۔

صفت کی لغوی تعریف: وہ حالت جس سے کوئی چیز متصف ہوتی ہے، جیسے حلیہ، وصف وخوبی، سیاہی وسفیدی، علم اور جہالت۔ صفت سے مراد وہ ارادہ (وکیفیت) ہے جو کسی چیز سے ملحق ہوتی ہے، جب کہ نعت سے مراد یہ ہے کہ: آپ کسی چیز کی خوبی بیان کریں[3]۔

اسماء وصفات کی اصطلاحی تعریف: یہ اعتقاد جازم رکھنا کہ اللہ تعالی اپنے خوبصورت ناموں[4] اور بلند صفات میں منفرد ہے، ان اسماء وصفات کو ثابت کرنا اور ان پر ایمان لانا بالکل اسی طرح واجب ہے جس طرح اللہ پاک وبرتر نے اپنے لئے اپنی

---

(1) الفتاوی: ٦/ ٢٠٦-٢٠٧

(2) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب إن للہ تسعۃ وتسعین اسما إلا واحد: ٦/ ٢٦٩١، مسلم، کتاب الدعوات والذکر، باب فی اسماء اللہ: ٤/ ٢٠٩٢

(3) لسان العرب: ٩/ ٣٥٦-٣٥٧، المصباح المنیر: ٢٥٤، القاموس المحیط: ١/ ٦٦٦٧، المعجم الوسیط: ١٠٣٦-١٠٣٧، معجم مقاییس اللغۃ: ٥/ ٤٤٨

(4) لوامع الانوار البہیۃ: ١/ ١٢٩، الرسالۃ التدمریۃ: ٦-٧

کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی جلالت وکبرائی کے شایان شان (اپنی احادیث میں) ثابت کیا ہے، بغیر کسی تحریف[1] وتعطیل[2]

---

(1) تحریف کے لغوی معنی بدلنے اور تبدیل کرنے کے آتے ہیں، اصطلاح میں تحریف یہ ہے کہ: اللہ کے خوبصورت ناموں اور بلند صفات کو بدل دئے جائیں، یا ان سے ایسے معانی مراد لئے جائیں جن پر وہ دلالت نہیں کرتے ہیں، تحریف کی دو قسمیں ہیں:
پہلی قسم: لفظی تحریف: یا تو کسی لفظ کا اضافہ کر دیا جائے، یا کوئی لفظ گھٹا دیا جائے، یا اس کی شکل ہی بدل دی جائے، جیسا کہ جہمیہ اور ان کے ہمنوا "استوی" میں لام کا اضافہ کر کے کہتے ہیں کہ وہ "استولی" ہے، اور یہودی کو جب فرمان الٰہی ﴿وَقُولُواْ حِطَّةٌ﴾ کے ذریعہ حطہ کہنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے حنطہ کہا۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ چند بدعتی فرقے اس آیت میں اللہ کو نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں: ﴿وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمٗا﴾۔ نساء: ۱۶۴
دوسری قسم: معنوی تحریف: وہ یہ کہ لفظ کو اس کی حالت پر باقی رکھا جائے اور اس کا معنی تبدیل کر دیا جائے، جیسا کہ اہل بدعت غضب کی تفسیر انتقام کے ارادہ، رحمت کی تفسیر انعام کے ارادہ، اور ہاتھ کی تفسیر نعمت سے کرتے ہیں، تحریف کرنے والے گروہ میں کلابیہ، اشاعرہ او رماترید یہ سر فہرست ہیں۔ دیکھیں: المفردات: ۱۱۴، المقالات: ۱/ ۳۵۰-۳۵۱، ۲/ ۲۲۵، درء التعارض ط دار الکنوز: ۲/ ۷۷-۸۵، الفتاوی: ۱۶/ ۴۷۱، منہاج السنۃ ط جامعۃ الامام ۲/ ۱۰۸، التوحید للماتریدی، دار الجامعات المصریۃ: ۶۵-۶۹، تفسیر النسفی: ۴/ ۲۲۲-۴۳۹۔

(2) تعطیل لغت میں: چھوڑنے اور خالی ہونے کو کہتے ہیں، اسی سے جید معطلۃ ہے: یعنی زیور سے خالی گردن، اسی سے اللہ کا فرمان ہے: [وبئر معطلۃ] سورۃ الحج: ۴۵، یعنی: بیکار کنوئیں جسے ان کے مالکوں نے چھوڑ دیا ہو۔ اصطلاح میں تعطیل کہتے ہیں: کتاب وسنت کے نصوص جس معنی ومراد پر دلالت کرتے ہیں، اس کی نفی کرنا، تعطیل کے مختلف اقسام ہیں:
۱- اللہ تعالی کو اس کے مقدس کمال سے معطل کرنا، وہ اس طرح کہ اللہ کے (تمام) اسماء وصفات یا ان کے بعض حصے کو معطل (بے معنی) کر دیا جائے، جیسا کہ جہمیہ اور معتزلہ نے کیا۔
۲- اللہ کی عبادت کو ترک کر کے یا اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت انجام دے کر اللہ کو معطل کرنا۔
۳- مخلوق کو اپنے خالق سے معطل (دور) کرنا، ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: فطرت نے چیزوں کو وجود بخشا ہے اور وہ اپنی فطرت سے ہی چل رہی ہیں۔ فرقہ معطلہ میں فلاسفہ، باطنیہ، جہمیہ، معتزلہ، کلابیہ، اشاعرہ اور ماترید یہ سر فہرست ہیں۔ دیکھیں: المفردات: ۱۱۴، التوقیف علی مہمات التعاریف: ۵۱۷، الرد علی الجہمیۃ: ۱۰۴-۱۰۵، درء التعارض، ط دار الکتب، ۱۹۷۱ء: ۱/ ۴۰-۴۱، الاصول الخمسۃ: ۱۲۹، خبیئۃ الاکوان: ۱۵

اور بغیر کسی تکییف [1] وتمثیل [2] کے۔ وہ اللہ کی ذات سے ان تمام عیوب ونقائص، اور کمال و کبریائی کے منافی اوصاف کی نفی کرتے ہیں جن کی نفی اللہ نے اور رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔

ا-اسم اور صفت میں فرق: اللہ کے اسماء وہ ہیں جو ذات الٰہی پر دلالت کرنے کے ساتھ ہی اللہ کی صفات کمال پر بھی دلالت کرتے ہیں، جیسے قادر، علیم اور حکیم، یہ اسماء اللہ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ اسماء اللہ کی ذات سے متصل قدرت، علم اور حکمت کی صفات پر بھی دلالت کرتے ہیں، رہی بات صفات کی تو ان سے مراد وہ اوصاف کمال ہیں جو ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں، جیسے قدرت، علم اور حکمت، معلوم ہوا کہ اسم دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے، جب کہ صفت صرف ایک چیز پر دلالت کرتی ہے، اسم کے اندر صفت بھی شامل ہوتی ہے، اور صفت اسم کا متقاضی ہوتی ہے [3]۔

دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید اسماء وصفات کا ثبوت

---

[1] تکییف: باب تفعیل سے کیف یکیف تکییفا کا مصدر ہے، لغت میں اس کے معنی کیفیت بیان کرنے کے آتے ہیں، کسی چیز کی ماہیت اور حقیقت کو کیفیت کہتے ہیں، اصطلاح میں تکییف یہ ہے کہ ایسی چیز کی حقیقت وماہیت بیان کی جائے جس کی حقیقت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں، جیسے ذات الٰہی کی حقیقت، یا صفات الٰہی کی حقیقت، یا ان صفات کی ماہیت بیان کرنا، جو کہ انسان کے لئے ناممکن ہے، کیوں کہ اس علم کو اللہ نے اپنے لئے مختص کر رکھا ہے۔

دیکھیں: المفردات: 444-445، قطف الثمر في بيان عقيدة الأثر: ۳۱، شرح العقيدة الواسطية: 14

[2] تمثیل: لفظ مثل سے باب تفعیل (کا مصدر ہے)، مثل کے معنی شریک اور ہمسر کے ہوتے ہیں، اصطلاح میں تمثیل یہ ہے کہ ذات اور صفات میں غیر اللہ کو اللہ کے یا اللہ کو غیر اللہ کے مساوی قرار دیا جائے، اس کی تین قسمیں ہیں:

ا-- مخلوق کو خالق کے مشابہ قرار دینا، جیسا کہ نصاری نے مسیح بن مریم کو اور یہودیوں نے عزیر کو اللہ کے مشابہ قرار دیا، اللہ تعالی اس تشبیہ سے بہت زیادہ بلند اور پوری طرح مبرا ہے۔

2- خالق کو مخلوق کے مشابہ قرار دینا، جیسا کہ فرقہ مشبہہ کا طرہ رہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کا چہرہ مخلوق کے چہرے کی مانند، اللہ کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کے مشابہ اور اللہ کی سماعت مخلوق کی سماعت کی طرح ہے، یہ اور ان جیسی دیگر تشبیہات جو بے بنیاد اور باطل ہیں۔

3- خالق کو معدومات، ناممکنات، ناقصات اور جمادات سے تشبیہ دینا، یہی وہ تشبیہ ہے جو جہمیہ اور معتزلہ کا طرہ رہا ہے، تشبیہ وتمثیل کے باب میں مشہور ترین فرقے یہ ہیں: بیانیہ، مغیریہ، منصوریہ، خطابیہ، حلولیہ، مقنعیہ، زراریہ، معتزلہ اور روافض وغیرہم۔

دیکھیں: التوقیف فی مہمات التعاریف: 636، المقالات: 1 / 66- 67- 87، الفرق بین الفرق: 86-87، اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین: 71-73، البرھان: 75-77، ذکر مذاھب الفرق: 86-87، عقیدۃ الثلاث والسبعین فرقۃ: 1 / 463، الأجوبۃ الأصولیۃ: 32

[3] الفتاوی: ۹ / ۱۰۳، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للدویش: ۳ / ۱۱۶

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِى مَآ أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾﴾ [سورۃ النور:14].

ترجمہ: اگر اللہ تعالی کا فضل وکرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقینا تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

لفظ جلالہ (اللہ)، اللہ تعالی کے افضل ترین خوبصورت ناموں (اسماء حسنی) میں سے ہے، کیوں اللہ کے اسماء اس کی ذات کی طرف لوٹتے ہیں، جیسا کہ اللہ پاک وبرتر نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا﴾ [سورۃ الأعراف:180].

ترجمہ: اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔

اللہ سے مراد الوہیت ہے، اور الوہیت اللہ کی تعالی کی ایسی صفت ہے جس کے معنی ہوتے ہیں: اللہ تعالی اپنے اچھے اچھے ناموں، بلند وبالا صفات اور عظیم ترین حمد وثنا کی وجہ سے اس بات کا حق رکھتا ہے کہ تمام تر عبادتیں صرف اسی کے لئے خاص کی جائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: (اللہ تعالی تمام مخلوقات پر الوہیت اور عبودیت کا حق رکھتا ہے)[1]۔

مذکورہ آیت میں لفظ جلالہ کے ساتھ اللہ تعالی کی صفت رحمت کا بھی ذکر آیا ہے، رحمت اللہ کی ایسی صفت ہے جو کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے، صفت رحمت کے تعلق سے بے شمار نصوص ہیں، اللہ کے خوبصورت ناموں میں رحمن اور رحیم بھی ہیں، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں پانچ سو سے زائد مقام پر صفت رحمت کے ذریعہ اپنی تحمید فرمائی ہے، وہ اس طرح کے ایک سو ساٹھ سے زائد مقام پر اسم رحمن اور دو سو سے زائد مقام پر اسم رحیم کا ذکر آیا ہے، جب کہ رحمن ورحیم کو بطور تاکید ایک ساتھ ایک سو سولہ مقام پر ذکر فرمایا ہے[2]۔

---

[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما: عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب بن عبد مناف القرشی الہاشمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے، ہجرت سے تین سال قبل شعب ابی طالب کی محصوری کے درمیان ان کی ولادت ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت اور صالحیت کے ساتھ علم وحکمت اور قرآن فہمی کی دعا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے، اپنے قریب رکھتے اور ان سے مشورہ کیا کرتے تھے، عمر رضی اللہ عنہ اپنی فقاہت اور اجتہادات کے باوجود مشکل مسائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ ان کی وفات طائف میں سنہ ۸۶ھ میں ہوئی جب کہ ان کی عمر ستر یا چوہتر سال تھی۔ دیکھیں: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۲/ ۳۵۶-۳۶۰، الاصابۃ: ۲/ ۳۳۰-۳۳۱

[2] إيثار الحق على الخلق لليمانى ط دار الكتب العلمية: ۱۲۵

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اللہ تعالی کی صفت رحمت [1] کو حقیقی معنی میں ثابت کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جو اللہ کی جلالت اور عظمت شان کے موافق ہو، جہاں تک رحمت کے لغوی معنی کی بات ہے جو کہ نرمی اور میلان ورجان کے معنی میں آتا ہے، تو یہ معنی مخلوق کے حق میں لازم آتا ہے، لیکن عزیز وبرتر رب کی شان میں اس طرح کا معنی لازم نہیں آتا [2]۔

۲-اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَيُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْأَيَٰتِ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾﴾ [سورۃ النور:18].

ترجمہ: اللہ تعالی تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرمارہا ہے، اور اللہ تعالی علم وحکمت والا ہے۔

نیز فرمایا: ﴿وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ وَأَنَّ ٱللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾﴾ [سورۃ النور:19-20].

ترجمہ: اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔ اگر تم پر اللہ تعالی کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بھی کہ اللہ تعالی بڑی شفقت رکھنے والا مہربان ہے (تو تم پر عذاب اتر جاتا)۔

مزید یہ کہ: ﴿وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾﴾ [سورۃ النور:21].

ترجمہ: اور اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾﴾ [سورۃ النور:22].

ترجمہ: کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہارے قصور معاف فرمادے؟ اللہ قصوروں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے۔

---

[1] التعلیق علی فتح الباری للدویش:١٦

[2] اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ صفت رحمت کو احسان اور بندوں پر انعام کرنے کے معنی میں لیتے ہیں، یا اسے مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں، یا اس سے مراد وہ رحمت لیتے ہیں جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے تخلیق فرمائی ہے، یا ایصال ثواب یا فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر محمول کرتے ہیں، یہ سارے معانی اللہ سبحانہ وتعالی کی ثابت شدہ صفت رحمت میں تحریف ہے۔ دیکھیں: المقالات: ١/٣٢٣، التبصیر فی الدین: ٤٠-١١١، الرد علی الجہمیۃ: ١٠٤-١٠٥، الفتاوی: ٦/٣٥/١٣/١٦٥

مذکورہ بالا آیات سے اللہ تعالی کے یہ اسماء ثابت ہوتے ہیں: علیم، حکیم، رؤوف، رحیم، سمیع، علیم، غفور۔ ساتھ ہی ان آیتوں سے اللہ کے مختلف صفات بھی ثابت ہوتے ہیں جو کہ یہ ہیں: علم، حکمت[1]، سماعت، مغفرت، رحمت اورمشیئت۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان صفات کو اسی طرح ثابت کریں جس طرح اللہ کی شان عظمت وکبریائی کو زیباہے، اللہ تعالی کا علم ان ذاتی صفات میں سے ہے جو ذات الہی سے جدانہیں ہوتے، اللہ کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے، اجمالی[2] طور پر بھی اور تفصیلی[3] طور پر بھی، دنیا اور آخرت میں اللہ تعالی کی حکومت ہے، وہ پاک ذات جب کسی چیز کو پختگی کے ساتھ وجود میں لاتی ہے تو اس میں فساد نہیں پیدا ہو سکتا ہے، اللہ نے اس کائنات کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ پیدا کیا اور اسے وجود میں لایا، اللہ کی پاک ذات علم وحکمت والی ہے۔

رأفت[4] (رؤوف کی صفت) اللہ تعالی کے ثابت شدہ فعلی صفات میں سے ہے، یہ صفت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی احسان واکرام اور جود وسخا کی صفت سے متصف ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالی کی رحمت اور اس کے انعامات حکمت الہی کے تقاضوں کے مطابق تمام مخلوقات کو محیط ہیں، البتہ مومنوں کے لئے اللہ کی خصوصی رحمت اور انعام واکرام کا ایک بڑا حصہ

---

[1] اللہ تعالی نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، اس کے اندر حکمت ہے، حکمت دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے، ایک: وہ حکمت جو اللہ تعالی کی طرف لوٹتی ہے، جسے اللہ پسند کرتا اور محبوب رکھتا ہے، دوسری: وہ حکمت جو بندوں سے تعلق رکھتی ہے، جو کہ وہ نعمت ہے جس سے وہ خوش اور لطف اندوز ہوتے ہیں، یہ حکمت اللہ کے احکام میں بھی پائی جا سکتی ہے اور اللہ کی مخلوقات میں بھی۔ اللہ پاک حکیم ہے، بلا مقصد اور بغیر حکمت ومصلحت کے کوئی کام نہیں کرتا، لہذا اشاعرہ اور جہمیہ کا اللہ کی حکمت ومصلحت کا انکار کرنا حق اور راستی سے پہلو تہی کرنا ہے، اسی طرح معتزلہ کا یہ کہنا بھی گمراہی ہے کہ اللہ کے تمام افعال اور ہر قسم کے اوامر کسی نہ کسی قابل تعریف حکمت کے سبب ہوتے ہیں، لیکن یہ حکمت مخلوق ہے جو اللہ کی ذات سے الگ ہے۔ دیکھیں: الارشاد للجويني: ۲۶۸-۲۶۹، نهاية الإقدام: ۲۹۷، محصل أفكار المتقدمين للرازي: ۲۰۵، الفصل دار المعرفة: ۳/ ۱۷۴، الإحكام لابن حزم: ۸/ ۱۱۱۰-۱۱۱۱، الفتاوى: ۸/ ۳۵-۳۶، شفاء العليل لابن القيم: ۴۰۰-۴۳۴، ط التراث۔

[2] الحق الواضح المبين: ۳۴-۳۶، شرح النونية للهراس: ۲/ ۷۲

[3] اس سے شیعوں کی جھوٹ فاش ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی کا علم ازلی نہیں ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ: اللہ تعالی کسی چیز سے ناواقف رکھتا ہے، پھر اس سے واقف ہوتا ہے۔ نیز قدریہ کا یہ عقیدہ بھی باطل ہے: اللہ تعالی کسی چیز کو اس کے واقع ہونے کے بعد جانتا ہے۔ دیکھیں: الاصول من الکافی: ۱/ ۳۲۷، الانوار النعمانية: ۲/ ۲۴۰-۲۴۱، رسائل الشيعة للعاملي: ۲۰/ ۳۲۳-۳۳۹، تاويل مختلف الحديث: ۴، تاريخ الجهمية والمعتزلة للقاسمي: ۵۴

[4] اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اشاعرۃ اور ماتریدیہ نے اللہ کی صفت رأفت میں جو تحریف کی ہے وہ غلط اور بے بنیاد ہے، وہ کہتے ہیں کہ: رافت ورحمت سے مراد احسان وانعام کا ارادہ کرنا ہے۔ دیکھیں: الرد على الجهمية للامام احمد ط دار اللواء: ۴۴-۴۵، الفتاوى: ۵/ ۲۱-۲۲

ہے[1]۔ لغت میں رافت کے معنی اگرچہ نرمی اور میلان ورجحان کے آتے ہیں، تاہم یہ معنی خالق سبحانہ وتعالی کے حق میں لازم نہیں آتا۔

سمیع وعلیم بھی اللہ تعالی کے اسماء ہیں، اللہ تعالی اکثر وبیشتر صفت سمع وبصر کو ایک ساتھ ذکر کرتا ہے، کیوں کہ سمع وبصر دو ایسے صفات ہیں جو تمام متعلقات کے ظاہری وباطنی پہلوؤں کو محیط ہیں، چنانچہ سمیع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی سماعت تمام مسموعات کو محیط ہے، عالم علوی وسفلی میں جتنی بھی آوازیں ہیں، خواہ وہ پوشیدہ ہوں یا ظاہر، اللہ تمام آوازوں کو سنتا ہے، اس پر نہ تو آوازیں خلط ملط ہوتی ہیں اور نہ ہی کوئی زبان اس سے مخفی ہے۔

صفت مغفرت بھی اللہ کی فعلی صفات میں سے ہے، اللہ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے، اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہی عفو ودرگزر میں مشہور ہے اور رہے گی، ہمیشہ اللہ بندوں کو اپنی مغفرت سے نوازتا رہا ہے اور نوازتا رہے گا، ہر انسان اللہ کی مغفرت اور بخشش کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح اس کے رحم وکرم کا محتاج ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ کمال مغفرت ہے کہ بندہ خواہ جتنا بھی بڑا گناہ گار ہو، اگر وہ توبہ وانابت کرے تو اللہ اس کے تمام چھوٹے بڑے گناہ کو بخش دیتا ہے[2]، اسلام لانے سے حالت کفر کے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں اور توبہ کرنے سے گزشتہ سارے معاصی معاف کردئے جاتے ہیں[3]، جیسا کہ اللہ تعالی نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے: (اگر تو زمین برابر بھی گناہ کر بیٹھے پھر مجھ سے -مغفرت طلب کرنے کے لئے- ملے لیکن میرے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کیا ہو تو میں تیرے پاس اس کے برابر مغفرت لے کر آؤں گا -اور تجھے بخش دوں گا-)[4]۔

---

[1] تفسیر السعدی: ۵/ ۶۲۱

[2] اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ بے بنیاد ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہو جاتا ہے اور وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا، کیوں کہ وہ اپنے اس فاسد عقیدہ کی وجہ سے اہل کبائر کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ جو انسان جہنم میں جائے گا وہ اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔ دیکھیں: شرح الطحاویۃ: ۱۹۹ تحقیق: الارنؤوط، الروضۃ الندیۃ: ۵۳۰، الکواشف الجلیۃ: ۵۷۹

[3] شرح القصیدۃ النونیۃ: ۲/ ۸۷، الحق الواضح المبین: ۵۶

[4] سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب غفران الذنوب مہما عظمت: ۴/ ۱۲۳، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور البانی نے صحیح الجامع: ۵/ ۵۴۸ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

مشیئت بھی اللہ کی ایک صفت ہے، چنانچہ جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا، جو چیز بھی وجود میں آئی وہ اللہ کے ارادہ اور تقدیر و مشیئت کی بنیاد پر وجود میں آئی، یہی صحیح مذہب ہے[1]۔

سورہ نور کی مذکورہ آیات میں جہاں اللہ کے بعض خوبصورت ناموں کا ثبوت ہے وہیں اللہ تعالی کے بعض ذاتی اور فعلی[2] صفات کا بھی ذکر ہے۔

اللہ کی صفت کلام کا ذکر نبی ﷺ کی حدیث میں بھی آیا ہے، حضرت عائشہ[3] رضی اللہ عنہا صحیح حدیث میں بیان کرتی ہیں کہ: "مجھے پورا یقین تھا کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالی میری براءت ضرور کرے گا لیکن اللہ کی قسم! مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا

---

[1] اس سے معتزلہ کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ: اللہ تعالی ایمان اور عمل صالح کو پسند کرتا ہے، لیکن فساد و بگاڑ نہیں پسند کرتا اور نہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند فرماتا ہے، اس لئے معاصی اور گناہ اللہ کی تقدیر کردہ نہیں ہیں، چنانچہ وہ اللہ کی مشیئت اور تخلیق سے باہر ہیں۔ نیز اشاعرہ، جہمیہ اور صوفیہ کے اس قول کی بھی تردید ہوتی ہے کہ: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اس لئے وہ مشیئت، ارادہ، محبت اور رضا کو ایک ہی معنی میں شمار کرتے ہیں، ان کی نظر میں معاصی اور کفر بھی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں، کیوں کہ اللہ نے ان معاصی کو پیدا فرمایا اور چاہا، جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ: ارادہ کی دو قسم ہے: ایک قسم: عمومی مشیئت کے معنی میں، اس سے مراد ارادہ کونیہ قدریہ ہے، جو کائنات میں واقع ہونے والی ہر چیز کو شامل ہے، اس کے بہت سے دلائل ہیں، مثلا اللہ کا یہ فرمان: (جس شخص کو اللہ تعالی راستہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے، اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے، اسی طرح اللہ تعالی ایمان نہ لانے والوں پر ناپاکی مسلط کر دیتا ہے)۔ اس قسم کے ارادہ سے نہ تو اللہ کی محبت لازم آتی ہے اور نہ ہی یہ ارادہ محبت کے معنی میں وارد ہوا ہے، دوسری قسم: وہ ارادہ جو محبت اور رضا کے معنی میں ہے، جیسے اللہ کا یہ فرمان: (اللہ تعالی کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں)۔ اس ارادہ سے مراد دینی اور شرعی ارادہ ہے، جس سے محبت اور رضا لازم آتی ہے۔ دیکھیں: التنویر فی إسقاط التدبیر للسکندری: ۴۷، إیقاظ الہمم فی شرح الحکم، لابن عجیبۃ: ۳۶-۴۱، شرح حکم ابن عطاء' لزروق: ۳۵-۳۶، الفتاوی: ۸/ ۱۸۸-۱۹۷، ۴۴۰، ۴۷۶، ۱۷/ ۱۰۱، منہاج السنۃ ط مکتبۃ الریاض الحدیثۃ: ۱/ ۳۶۰، التسعینیۃ: ۲۷۰

[2] اللہ کی جو صفات ثابت ہیں، اہل سنت والجماعت نے انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: پہلی قسم: ذاتی صفات جن سے اللہ تعالی ہمیشہ سے متصف رہا ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا، جیسے علم، علو-بلندی- چہرہ، ہاتھ، ان صفات کا تعلق مشیئت اور ارادہ سے نہیں ہے۔ دوسری قسم: فعلی صفات، اس سے وہ صفات مراد ہیں جن کا تعلق اللہ کی مشیئت اور قدرت سے ہے، جیسے محبت، رضا، استواء (عرش پر قائم ہونا)، اور آنا، کچھ صفات ایسے بھی ہیں جو بیک وقت ذاتی اور فعلی دونوں ہیں، جیسے صفت کلام، چونکہ اللہ تعالی ہمیشہ سے متکلم (بولنے والا) ہے اور رہے گا، اس اعتبار سے کلام اللہ کی ذاتی صفت ہے، جب کہ کلام کے انواع واقسام کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے کہ اللہ جب چاہتا ہے، بولتا ہے، یہ اللہ کی فعلی صفت بھی ہے۔ دیکھیں: التدمریۃ: ۶۵-۶۶، الفتاوی: ۶/ ۲۱۷، شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۱۸۰، القواعد المثلی: ۲۵

[3] عائشہ رضی اللہ عنہا: ام عبد اللہ، رسول اللہ ﷺ کی محبوبہ، خلیفہ رسول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر، کبار فقہاء صحابہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، صحابہ - مسائل اور فتاوی میں - ان سے رجوع کیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے غزوہ بدر کے بعد شوال میں ان سے شادی (رخصتی) کی، ان کی براءت میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں، ان سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہے۔ ان کی وفات سنہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں ہوئی۔ دیکھیں: تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۷-۲۹، السیر: ۲/ ۱۳۵، الاعلام: ۳/ ۲۴۰

کہ اللہ تعالی میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی۔ میں اپنی حیثیت اس سے بہت کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالی میرے بارے میں (قرآن مجید کی آیت) نازل فرمائے"[1]۔ حدیث کا منطوق اللہ تعالی کی صفت کلام کو ثابت کرتا ہے، جو کہ ذات اور فعل دونوں سے متعلق ہے[2]، اللہ تعالی ہمیشہ سے متکلم رہا ہے، اپنی مشیئت کے مطابق جب اور جیسے چاہتا ہے بولتا ہے[3]، اللہ تعالی قابل سماعت آواز کے ساتھ بولتا ہے، کلام کی نوعیت قدیم ہے[4]، اگرچہ متعین آواز قدیم نہ ہو[5]، چنانچہ قرآن کریم پورا کا پورا مع حروف ومعانی اللہ کا کلام ہے، اس میں غیر اللہ کا کوئی کلام نہیں ہے، لیکن اللہ نے اسے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے، قرآن کریم نہ تو صرف معنی کا نام ہے اور نہ ہی صرف حرف کا، اللہ تعالی آواز کے ساتھ بولتا ہے، جیسا کہ صحیح احادیث[6] میں وارد ہوا ہے، مثلا یہ حدیث: "جب اللہ تعالی وحی کے لئے کلام کرتا ہے تو آسمان والے بھی کچھ سنتے ہیں، پھر جب ان کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے اور آواز چپ ہو جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کلام حق ہے اور ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ بجا ارشاد فرمایا"[7]۔

---

[1] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

[2] اس سے اشاعرہ، ماتریدیہ، کلابیہ، سالمیہ، ملاحدہ، باطنیہ، شیعہ اور صوفیہ کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ کلام ایسی صفت ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ دیکھیں: الفتاوی: ٦/ ٣١٦-٩ /٢٨٣-٣٨٥، شرح الاصفهانية، تحقيق العودة: ٣٤٤١، النبوات ط دار الكتب العلمية: ٢٠٢، مختصر الصواعق المرسلة: ٢/ ٢٨٦-٢٩٣

[3] اس سے جہمیہ، معتزلہ، امامیہ، فلاسفہ اور صوفیہ کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ کلام ایسی صفت ہے جو اللہ کے ساتھ قائم ہے، جہمیہ اور معتزلہ کے اس قول کی بھی تردید ہوتی ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ دیکھیں: عقائد الثلاث والسبعين فرقة: ١/ ٢٧٣، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ للالکائی: ١/ ٣٠-٣١، الفتاوی: ١٨٨-١٨٩

[4] اس سے کرامیہ اور ہاشمیہ کی غلطی واضح ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ کا کلام اس کے ساتھ قائم ہے، لیکن اس کی ذات کے ساتھ وقوع پزیر ہوتا ہے، اللہ نے کلام کیا، بعد اس کے کہ وہ متکلم نہیں تھا۔ دیکھیں: المقالات: ١/ ٢٢٣، الفرق بين الفرق: ١٦١-١٦٣، اعتقادات فرق المسلمين والمشركين: ٨٧-٨٩، التبصير في الدين: ١١١-١١٧، البرہان: ٣٥-٣٦/ ٨٢، الفتاوی: ٦/ ٣١٦، ٩/ ٢٨٣-٢٨٥

[5] اس سے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ: اللہ تعالی قابل سماعت آواز کے ساتھ نہیں بولتا ہے، جیسا کہ فلاسفہ، صوفیہ، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، ماتردیہ، کلابیہ اور سالمیہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔ دیکھیں: الجواب الصحيح: ٢/ ١٦٢-١٦٣، ٣/ ٩٤-١٠٣، درء التعارض: ٢/ ٢٥٥، شرح الاصفهانية: تحقيق العودة: ٣٤١، منہاج السنۃ ط دار العروبۃ: ٢/ ٢٧٨-٢٨٦

[6] الایمان لابن تیمیۃ ط المکتب الاسلامی: ١٦٢، الاستقامۃ: ١/ ٢١١

[7] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: [ولا تنفع الشفاعة عنده] ١٣/ ١٨٧

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ بالا قول سے بھی اللہ تعالی کی صفتِ علو (بلندی) ثابت ہوتی ہے، ایسی بلندی جو اللہ کی شان عظمت و کبریائی کو زیبا ہو، اللہ تعالی علوِّ ذات [1] (ذات کی بلندی) سے بھی متصف ہے اور علوّ قدر اور قہر سے بھی (یعنی مخلوقات پر اپنی قدرت اور جبروت کے ساتھ غالب ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اللہ تعالی کے لئے سمت وجہت [2] کو ثابت کرتے ہیں، جو کہ بلندی کی جہت ہے، وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی عرش پر قائم ہے، لیکن وہ اس کی تشبیہ اور کیفیت نہیں بیان کرتے، اس پر دلالت کرنے والے نصوص بے شمار ہیں۔

اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ واقعہ افک جس کا ذکر سورہ نور اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے اندر آیا ہے، یہ واقعہ توحید کی تینوں قسموں [3] ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات پر مشتمل ہے، جس سے قرآن وسنت کی عظمت پر واضح روشنی پڑتی ہے کہ کس طرح چند الفاظ کے اندر مکمل عقیدہ کو بیان کر دیا گیا ہے۔

---

[1] اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو صفت علو میں تحریف کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک علوِّ ذات کو ثابت کرنے سے آسمان میں اللہ کے حلول ہونے، ظرفیت (جگہ) کو اللہ کے لئے ثابت کرنے اور اللہ کا جسم سے متصف ہونے جیسے امور لازم آتے ہیں، جب کہ ان کا یہ قول کتاب وسنت میں وارد حق کے خلاف ہے۔ دیکھیں: شرح العقیدة الطحاویة: ۲/ ۳۷۷-۳۹۴، معارج القبول للحکمی ط دار ابن القیم: ۱/ ۱۴۴-۲۰۴

[2] اہل سنت والجماعت ایسے مجمل الفاظ جو حق وباطل دونوں پہلوؤں پر محتمل ہوں، کو استعمال کرنے میں ایسا موقف اختیار کرتے ہیں جو (قرآن وحدیث سے) ثابت ہے، جیسے جہت اور سمت، جگہ، علاحدگی، جسم اور حرکت۔ چنانچہ وہ نہ تو ان الفاظ کی مطلق نفی کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں مطلقا ثابت کرتے ہیں، اس طرح کے کسی لفظ کے اثبات یا نفی میں اس وقت تک کسی انسان کی موافقت نہیں کرتے جب تک کہ اس کی مراد نہ جان لیں، اگر اس کی مراد حق ہو تو اسے قبول کرتے ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس کی تعبیر قرآن وحدیث کے الفاظ میں کی گئی ہو، نہ کہ مجمل الفاظ میں، سوائے ناگزیر حالت کے، اگر اس کی مراد باطل اور بے بنیاد ہو تو اسے رد کر دیتے ہیں، اور اگر اس کی بات حق وباطل دونوں پر مشتمل ہو، تو اس بات کو مطلقا نہ تو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے تمام معانی کو رد کرتے ہیں، بلکہ لفظ کے بارے میں توقف اختیار کرتے اور معنی کی تفسیر کرتے ہیں۔ دیکھیں: التدمریة: ۶۶، شرح العقیدة الطحاویة: ۱/ ۲۶۱

[3] اہل سنت والجماعت نے توحید کو اس کے متعلقات کے اعتبار سے تین قسموں میں بانٹا ہے، کیوں کہ اللہ تعالی کی توحید یا تو اس کے اسماء وصفات سے متعلق ہے جو توحید اسماء وصفات ہے، یا اس کے افعال سے متعلق ہے جو کہ توحید ربوبیت ہے، یا پھر اس کی عبادت سے متعلق ہے جو کہ توحید الوہیت ہے۔ بندہ موحد پر توحید کے تئیں جو واجبات عائد ہوتے ہیں، اس اعتبار سے اہل سنت والجماعت کے بعض علماء نے توحید کو دو قسموں میں بانٹا ہے: پہلی قسم: توحید معرفت واثبات، جو توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات پر مشتمل ہے، دوسری قسم: توحید ارادہ وقصد، جو کہ توحید الوہیت ہے، کیوں کہ بندہ موحد پر یہ واجب بنتا ہے کہ وہ اپنے قصد وارادہ اور طلب کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف متوجہ رکھے (یعنی اپنے اعمال سے صرف اللہ کی رضا کا طلب گار ہو)، توحید کی اس قسم کو توحید ارادی وطلبی بھی کہتے ہیں۔ دیکھیں: مدارج السالکین: ۱/ ۴۸، ۲/ ۴۱۷، شرح الطحاویة: ۱/ ۴۲، أضواء البیان ط عالم الکتب: ۳/ ۴۰۹-۴۱۰، تیسیر العزیز الحمید: ۳۳۱، القول السدید فی الرد علی من أنکر تقسیم التوحید للعباد۔

دوسرا باب:

ملائکہ پر ایمان لانا

اس میں دو مباحث ہیں:

پہلا مبحث:

ملائکہ کی لغوی واصطلاحی تعریف

لغت میں: ملائکہ ملک کی جمع ہے، لام کے فتحہ کے ساتھ، ایک قول یہ بھی ہے کہ ملائکہ: مالک سے مخفف ہے، ایک قول یہ ہے کہ: الوکہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیغام کے آتے ہیں، یہی قول جمہور لغویوں کا ہے، اس کی اصل لاک ہے، ایک قول یہ ہے کہ: اس کی اصل ملک ہے میم کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ، جس کے معنی طاقت کے ساتھ پکڑنے کے آتے ہیں، جب اس معنی پر محمول کریں گے تو اس پر حرفِ میم داخل نہیں ہو گا[1]۔

ملائکہ کی اصطلاحی تعریف:

ا- ملائکہ اس نازک مخلوق کا نام ہے جسے مختلف شکل وصورت اختیار کرنے کی صلاحیت دی گئی ہے، اس کا مسکن آسمان ہے[2]۔

۲- اللہ کی ایک مخلوق ہے جسے (مختلف کاموں کے لئے) مسخر کیا گیا ہے، وہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، نہ تو انہیں مذکر سے متصف کیا جاتا ہے اور نہ مؤنث سے، وہ نہ تو کھاتے پیتے ہیں اور نہ انہیں تھکاوٹ ہوتی ہے، ان کے درمیان شادی نہیں ہوتی ، اور ان کی تعداد کو صرف اللہ تعالی ہی بخوبی جانتا ہے[3]۔

---

[1] معجم مقاییس اللغۃ: ۸۸، ۹۹۶

[2] فتح الباری: ۶/ ۳۰۶

[3] المنہاج فی شعب الایمان للحلیمی: ۱/ ۳۰۲، شعب الایمان للبیہقی: ۱/ ۴۰۵-۴۰۶، أعلام السنۃ المنشورۃ: ۷۷

ملائکہ پر صحیح طریقے سے ایمان لانے کا تقاضہ ہے کہ ہم ان کے وجود کی تصدیق کریں[1]، ان کو ان کا مقام و مرتبہ دیں[2] اور یہ اعتراف کریں کہ ان میں کچھ فرشتے اللہ کے پیغام رساں ہیں۔

---

[1] اس سے دہریہ، فلاسفہ اور ملاحدہ کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، جو ملائکہ کے وجود کا انکار کرتے اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کا کوئی وجود نہیں ہے، نیز عقل پرستوں کی اس رائے کی بھی تردید ہوتی ہے کہ ملائکہ ان فطری طاقتوں کا نام ہے جو مخلوقات کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اس فکر کو محمد عبدہ نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ دیکھیں: تفسیر المراغی: ۱/۸۶-۸۷، رسالۃ التوحید لمحمد عبدہ: ۱۱۲-۱۱۳، تاریخ المذاہب الاسلامیۃ لابی زہرہ: ۱/۱۶

[2] اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو ملائکہ کے سلسلے میں اس قدر غلو کے شکار ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی ہی عبادت کرتے ہیں، ساتھ ہی ان لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو فرشتوں کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، جیسے مشرکین عرب جنہوں نے کہا کہ فرشتے مؤنث ہیں، اور یہودی جو فرشتوں کو مؤنث گردانے کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام سے عداوت بھی رکھتے ہیں، اور شیعہ کا فرقہ غرابیہ جو جبرئیل علیہ السلام پر لعنت بھیجتے ہیں، کیوں کہ ان کا دعوی ہے کہ انہوں نے امانت میں خیانت کی، انہیں پیغام لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن انہوں نے یہ پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی، شیعوں کا یہ فرقہ اپنے اسلام مخالف عقائد کی بنیاد پر نرس (مریضوں کی دیکھ ریکھ کرنے والی خواتین) کو رحمت کے فرشتے کہتے ہیں۔ دیکھیں: مشکاۃ الانوار للغزالی: ۳۱، النبوات ط دار الفکر: ۱۶-۱۶۹، الرد علی المنطقیین: ۴۷۰-۴۹۰، اغاثۃ اللھفان: ۱/۲۶۱، مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ: ۱۴، المجموعۃ الکاملۃ لاعمال الشاعر حسن فقی: ۵/۳۱۵-۳۱۶، شطحات مصطفی محمود للجبری: ۱۳۱-۱۳۴

دوسرا مبحث:

واقعہ افک سے فرشتوں پر ایمان لانے کا ثبوت

رسول ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں فرمایا: "امابعد! اے عائشہ! تمہارے باری میں مجھے اس اس طرح کی خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بری ہو تو اللہ تعالی تمہاری براءت خود کرے گا"..... پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "لیکن اللہ کی قسم مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالی میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی... گھر والوں میں سے کوئی باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا"[1]۔ حدیث کا ظاہری نص یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ عزیز وبرتے نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں قرآن نازل فرمایا جس کی تلاوت کی جاتی ہے، وحی لے کر آنے والے جبرئیل علیہ السلام تھے، وہ افضل اور عظیم ترین فرشتوں میں سے ہیں، کیوں کہ وہ اللہ کی سفارت پر مامور ہیں اور یہ سفارت نبیوں پر وحی لے کر اترنا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾﴾ [سورۃ عبس:15-16].

ترجمہ: ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو بزرگ اور پاکباز ہیں۔

جبرئیل علیہ السلام وحی پر مامور ہیں جس سے اصلاح عامہ حاصل ہوتی ہے، اللہ فرماتا ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾﴾ [سورۃ الشعراء:193].

ترجمہ: اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔

فرشتوں کی مختلف ذمہ داریاں ہیں، جیسے: اللہ اور انبیاء کے درمیان سفارت کا کام کرنا، بندوں کے اعمال کو رکارڈ کرنا، دن رات لوگوں کے درمیان پے درپے آنا، بارش برسانا، صور پھونکنا، روح قبض کرنا، بندوں کے اعمال کو تحریر کرنا، آگے اور پیچھے (ہر جہت) سے بندوں کی حفاظت کرنا، جنتیوں کو نعمت بہم پہنچانا، جہنمیوں کو سزا سے دوچار کرنا اور عرش کو اٹھانا وغیرہ۔

---

[1] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے

اہل سنت والجماعت فرشتوں پر یقینی ایمان رکھتے ہیں، ان کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالی کی مخلوق ہیں[1]، نہ کہ اللہ کی بیٹیاں اور اولاد، اور نہ ہی وہ اللہ کی ملکیت میں اس کے شریک ہیں[2]، ان کو قوت وصلاحیت دی گئی ہے، ان کی مختلف ذمہ داریاں ہیں[3]، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جس سے صرف اللہ ہی واقف ہے، انہیں بھی بنی آدم ہی کی طرح موت آتی ہے، اہل سنت والجماعت ان فرشتوں پر ایمان رکھتے ہیں جن کے نام قرآن میں ذکر کیئے گئے ہیں، اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ بھی اللہ کے دیگر فرشتے ہیں جن کے نام اور تعداد کو ان کا خالق ہی جانتا ہے، اس مسئلہ میں سلف کا یہی قول ہے، ان کے درمیان اس بابت کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ تاہم ان کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا فرشتے افضل ہیں یا انبیاء؟ جمہور اہل سنت انبیاء کو فرشتوں سے افضل مانتے ہیں، جب کہ بعض فرقے[4] فرشتوں کو انبیاء سے افضل گردانتے ہیں، شیخ الاسلام[5] رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں قول فیصل بیان کرتے ہوئے کہتے

---

[1] اس سے فلاسفہ اور عقل پرستوں کی رائے کی تردید ہوتی ہے کہ: ملائکہ معنوی طاقت کا نام ہے، ان کا جسمانی وجود نہیں، وہ نیک طبیعت انسان کی قوتوں کو فرشتہ اور خبیث طبیعت انسان کی قوتوں کو شیطان قرار دیتے ہیں، یا فرشتوں سے اجرام سماویہ (جو سورج کے ارد گرد گردش کرتے اور اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں) یا وہ نیک جانیں مراد لیتے ہیں جو اپنے جسم سے جدا ہو چکی ہیں۔ دیکھیں: الفتاوی: ۴م ۲۴۶، التوراۃ لمصطفی محمود: ۶۱-۶۰، شطحات مصطفی محمود: ۱۳۱-۱۳۴، الاسماعیلیۃ تاریخ وعقائد، احسان الٰہی ظہیر، الفکر الغربی، عمر فروخ: ۳۷۷-۴۰۰

[2] اس سے اس فکرِ غزالی کی تردید ہوتی ہے کہ: فرشتوں سے مراد لوح محفوظ ہے، شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے غزالی کے سلسلے میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ احیاء علوم الدین اور دیگر کتابوں میں ملک، ملکوت اور جبروت جیسے الفاظ کا استعمال فرشتوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کے لئے کرتے ہیں اور ان الفاظ سے ان کی مراد وہ جسم اور عقل ہوتی ہے جسے فلسفیوں نے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح وہ لوح محفوظ سے فلکی (آسمانی) مخلوق مراد لیتے ہیں، اس فکر کو انہوں نے ابن سینا جیسے فلاسفہ سے اخذ کیا ہے۔ دیکھیں: مشکاۃ الانوار للغزالی، مکتبۃ الجندی: ۳۱، النبوات ط دار الفکر: ۱۶۸-۱۶۹

[3] اس سے ان فلاسفہ اور عقل پرستوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ملائکہ سے مراد وہ نورانی خیالات ہیں جو نبی اپنے دل میں تصور کرتا ہے، اس مراد ان کے نزدیک عقل ہے، جو کہ نہ تو کائنات کے اندر ہے نہ اس سے باہر، نہ اس کے اوپر اور نہ اس کے نیچے، نہ تو ان کے جسم ہیں جو حرکت کر سکیں، نہ وہ چڑھنے اور اترنے کے لائق ہیں، نہ کسی چیز کی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ بولنے پر قدرت رکھتے ہیں، دور حاضر میں بعض مستشرقین بھی اسی فکر کی ترجمانی کرتے نظر آرہے ہیں۔ دیکھیں: إغاثۃ اللھفان ط دار الحدیث: ۲/ ۶۱۸، الفکر الغربی، فروخ: ۳۷۷-۴۰۰

[4] معتزلہ اور بعض اشاعرہ کے نزدیک فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔ دیکھیں: لوامع الانوار ط المدنی: ۲/ ۴، شرح الفقہ الاکبر للقاری ط دار الکتب العلمیۃ: ۱۷۱، العقیدۃ الطحاویۃ: ۳۳۸

[5] شیخ الاسلام: ان کا نام احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی الدمشقی ہے، نقلی اور عقلی دونوں ہی علوم کے سمندر رہیں، بلا کے ذہین، نابغہ روزگار زاہد، بے باک بہادر، حد درجہ سخی وفیاض تھے، اپنے تو اپنے غیر بھی ان کی تعریف کئے بنا نہیں رہ سکے، ان کی تالیفات چہار دانگ عالم میں پھیل گئیں، اسلامی تاریخ میں ان کا شمار پایہ کے مجدد اماموں میں ہوتا ہے، ان کے ذریعہ اللہ نے اہل سنت والجماعت کے منہج کو زندہ کیا، انہیں مختلف قسم کی

ہیں: "انبیاء اور نیک وصالح انسان فرشتوں سے افضل ہیں کمال انجام کے اعتبار سے، جو کہ اس وقت حاصل ہوگا جب وہ جنت میں داخل ہوں گے، اللہ کی قربت سے سرفراز ہوں گے، بلند درجات پر فائز ہوں گے، ان کی فضیلت وبرتری ان کے ابتدائی احوال (دنیاوی زندگی) سے ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ کمال انجام کے وقت ظاہر ہوگی (جب وہ جنت میں داخل ہوں گے)، برخلاف فرشتوں کے کہ ان کی ابتداء اور انتہا دونوں ہی یکساں ہیں"[1]۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک مضبوط بنیادوں پر استوار ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوتی، برخلاف خواہش پرست بدعتیوں کے جو اس باب میں گمراہی کے شکار ہیں[2]۔

ابتلاء وآزمائش سے گزرنا پڑا۔ ان کی وفات قید وبند کی حالت میں دمشق کے قلعہ کے اندر سنہ ۷۲۸ھ کو ہوئی۔ دیکھیں: تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۱۴۹۶-۱۴۹۷، البدایۃ والنہایۃ: ۴/ ۱۴۱-۱۴۵، فوت الوفیات: ۱/ ۳۴، المنہل الصافی: ۱/ ۳۳۶، النجوم الزاہرۃ: ۹/ ۲۷۱

[1] الفتاوی: ۱۱/ ۹۵

[2] ایمان کے اس اہم رکن - فرشتوں پر ایمان لانے - کے سلسلے میں خوارج اور اباضیہ گمراہی کے شکار ہیں، یہ قرآن کو مخلوق مانتے، اللہ کی رؤیت اور نزول کے منکر ہیں، اس طرح وہ فرشتوں کو ان کے بعض اعمال سے بے دخل کرتے ہیں، جیسے وحی لے کر اترنا، نیز نزول الہی کے وقت جو فرشتے عرش کو تھامے ہوتے ہیں، ان کو بھی اس عمل سے بے دخل کرتے ہیں، روافض کہتے ہیں کہ: جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتار کر غلطی کی۔ معتزلہ قبر کے عذاب اور نعمت کا انکار کرتے ہیں، قرآن کو مخلوق گردانتے ہیں، رؤیت الہی کے منکر ہیں، مرتکب کبیرہ کو ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنمی مانتے ہیں، اس طرح جبرئیل علیہ السلام کو سب سے افضل عمل اور حاملین عرش کو ان کے بعض اعمال سے بے دخل کردیتے ہیں، جہنم کے داروغہ (زبانیہ) کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ وہ ایسے مومن کو بھی کافر کی طرح عذاب دیں گے جو حقیقیت میں عذاب کا مستحق ہی نہیں ہوگا، جب کہ اس کے اندر اللہ کی حکم عدولی ہے۔ مرجئہ الہام اور بلاواسطہ طور پر فرشتوں سے استفادہ کرنے کے قائل ہیں، اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ فرشتے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ فرشتے کوئی بھی کام اللہ سبحانہ وتعالی کی اجازت کے بغیر نہیں انجام دیتے، مرجئہ یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کا کلام قابل سماعت نہیں ہے، ان کے اس دعوی سے یہ لازم آتا ہے کہ جبرئیل نے اپنی طرف سے یہ جھوٹا دعوی کیا کہ مصحف کے اندر جو بھی کلام ہے وہ اللہ تعالی کا کلام ہے، جہمیہ اللہ تعالی کے صفات کمال اور اوصاف جلال کی نفی کرتے ہیں، ان کے نزدیک نہ تو اللہ کا کان ہے، نہ آنکھ ہے، نہ قدرت ہے، نہ ارادہ ہے اور نہ ہی کلام، ان کے اس قول کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی ایک معدوم ذات ہے، انجام کار نہ فرشتوں کا وجود ہے، نہ کتابوں کا اور نہ رسولوں کا۔

دیکھیں: الملل والنحل: ۴/ ۱۸۳، التنبیہ والرد: ۳۴، التبصیر فی الدین: ۱۴۸، البرہان: ۴۳-۴۷، منہاج السنۃ ط جامعۃ الامام: ۱۰/ ۱۷، الفتاوی: ۱۲/ ۱۶۵، رسائل فی العقیدۃ للعثیمین: ۲۳

تیسرا باب:

آسمانی کتابوں پر ایمان لانا

اس کے اندر دو مباحث ہیں:

پہلا مبحث:

کتاب کی لغوی واصطلاحی تعریف

- **کتاب کی لغوی تعریف:**

کتاب مصدر ہے کتب یکتب کتابا وکتابۃ وکتبا کا، اس لفظ کا جو مادہ (اصل) ہے، اس کے معنی جمع کرنے کے آتے ہیں، اسی سے لفظ کتیبہ ہے جو فوج کے ڈویزن اور بٹالین کے معنی میں مستعمل ہے، قلم سے لکھنے کے لئے کتابت کا لفظ استعمال ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے کلمات اور حروف یکجا ہوتے ہیں، کتاب کو کتاب سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر موضوع سے متعلق مواد جمع کیا جاتا ہے، لفظ کتاب (جو کہ مصدر ہے) کا استعمال (عربی میں) ثابت کرنے، مقدر کرنے، واجب و فرض قرار دینے اور پختہ ارادہ کرنے کے معنی میں بھی ہوتا ہے[1]۔

- **کتب کی اصطلاحی تعریف:**

۱-کتب سے مراد وہ کتابیں ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالی نے انبیاء ورسل پر نازل فرمائی، اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَـٰبِ كُلِّهِۦ﴾ [سورة آل عمران:119][2]. ترجمہ: تم پوری کتاب کو مانتے ہو۔

۲-کتاب بول کر وہ حجت بھی مراد لی جاتی ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے ثابت ہے:﴿وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَـٰبٍ مُّبِينٍ﴾ [سورة الأنعام:59].

ترجمہ: نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

یعنی لوح محفوظ میں ثبت ہیں۔

---

[1] المفردات:۴۲۳-۴۲۵، التوقیف علی مهمات التعاریف:۵۹۹-۶۶۰، الکلیات:۵۹۹-۶۶۰

[2] المفردات:۴۲۵، اصطلاح میں یہی معنی مراد ہے۔

۳-فقہاء کے نزدیک کتاب سے مراد: وہ کتاب ہے جو احکام و شرائع پر مشتمل ہے، اسی لئے قرآن میں عام طور پر کتاب اور حکم ایک ساتھ وارد ہوئے ہیں، چنانچہ کتاب وہ ہے جس کے اندر لکھا جائے، عرف عام میں بیشتر اس کا استعمال الگ الگ کلمات کو تدوین کے ذریعہ باہم جمع کرنے کے لئے ہوتا ہے[1]۔

دوسرا مبحث:

واقعہ افک سے کتابوں پر ایمان لانے کا ثبوت

ا-وہ آیتیں[2] جن میں واقعہ افک کا ذکر آیا ہے، وہ کلام الہی اور قرآن کریم سے عبارت ہیں، جو کہ تمام آسمانی کتابوں میں سب سے افضل کتاب ہے، وہ تمام سابقہ کتابوں پر غالب آنے والی، امن دینے والی اور ان سب کی گواہی دینے والی کتاب ہے، یہ معلوم بات ہے کہ کسی چیز پر غالب آنے والا مغلوب سے زیادہ عالی مرتبت ہوتا ہے، شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ قرآن کی بابت رقم طراز ہیں: (قرآن نے یہ بیان کر دیا کہ سابقہ کتابوں میں کیا تحریف اور تبدیلی واقع ہوئی اور اہل کتاب نے سابقہ کتابوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، نیز قرآن نے ان چیزوں کو بھی واضح کر دیا جنہیں اہل کتاب نے چھپا رکھا تھا جب کہ اللہ نے انہیں بیان کرنے کا حکم دیا تھا، انبیاء کو جو شریعتیں دی گئی تھیں اور قرآن جس عمدہ شریعت اور طریقہ حیات کے ساتھ نازل ہوا، ان سب سے پردہ اٹھایا، اس طرح سابقہ کتابوں پر قرآن کو کئی ناحیوں سے غلبہ حاصل ہوا، وہ ان کتابوں کی سچائی پر گواہ ہے اور ان میں جو تحریف در آئی ہے، اس کے جھوٹ اور غلط ہونے پر بھی گواہ ہے[3]، قرآن نے-سابقہ کتابوں

---

[1] المفردات: ۴۲۳-۴۲۵، التوقیف علی مہمات التعاریف: ۵۹۹-۶۶۰، فتح المجید: ۱/ ۱۵، إعلام السنۃ المنشورۃ: ۷۹-۸۰

[2] سورۃ نور کی آیت ۱۰-۱۲

[3] اہل سنت والجماعت کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے زیادہ تر حصے تحریف شدہ ہیں، کیوں کہ قرآنی آیات اور روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کتابوں کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جس میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے، جیسے اللہ کا یہ فرمان: (جو لوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) اعراف: ۱۵۷، اسی طرح دو یہودیوں کو رجم کرنے کا واقعہ جس کے اندر آیت رجم کا ذکر ہوا ہے: (آپ کہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو توراۃ لے آؤ اور پڑھ سناؤ) آل عمران: ۹۳، اس سے اس رائے کی تردید ہوتی ہے کہ سابقہ آسمانی کتابیں مکمل طور پر تحریف شدہ ہیں۔ دیکھیں: التنبیہ والرد علی اہل الاہواء والبدع: ۹۶، المواقف فی علم الکلام: ۴۲۸، التبصیر فی الدین: ۱۰۸

میں سے- جس چیز کے باقی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، وہ باقی ہے اور جس کو منسوخ کہا ہے وہ منسوخ ہے۔ خبر کے معاملہ میں قرآن گواہ ہے اور حکم کے معاملہ میں حاکم ہے)[1]۔

۲- حدیث کے اندر عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول: (اللہ کی قسم! مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی۔ میں اپنی حیثیت اس سے بہت کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں (قرآن مجید کی آیت) نازل فرمائے.... اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی اسی مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور ابھی گھر والوں میں سے کوئی باہر بھی نہ نکلا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا)[2]۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں قرآن کی دس آیتیں نازل ہوئیں، قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے، بلکہ تمام آسمانی کتابوں میں سب سے افضل کتاب ہے، اسی لئے ایمان کے تیسرے رکن کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ: وہ کتابوں پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کا کلام ہے جسے اللہ نے حقیقت میں بولا ہے، کچھ کلام ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے پردہ کے پیچھے بغیر کسی فرشتہ کے واسطہ کے سنا گیا ہے، جب کہ کچھ کلام ایسا ہے جسے فرشتہ نے انسانی رسول تک پہنچایا ہے، اور کچھ کلام ایسا بھی ہے جسے اللہ نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: ﴿ ۞ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحۡيًا أَوۡ مِن وَرَآيِٕ حِجَابٍ أَوۡ يُرۡسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذۡنِهِۦ مَا يَشَآءُۚ ﴾ [سورة الشورى: 51].

ترجمہ: ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے۔

اللہ نے ان کتابوں کو اپنے برگزیدہ اور چنیدہ انبیاء ورسل پر نازل فرمایا تاکہ وہ بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیں، انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشن راہ پر لائیں، ان تمام کتابوں کے اندر ہدایت وراستی، نور وروشنی اور دل کی بیماریوں کی شفا ہے، اہل سنت والجماعت ان کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جن کے نام اللہ نے ذکر فرمائے ہیں، جیسے قرآن کریم[3] جسے اللہ نے

---

[1] الفتاوی: ۷/ ۴۳-۴۴، ۱۲/ ۳۹-۴۰، ۲۳۰-۲۳۶

[2] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے

[3] اس سے خوارج، معتزلہ، جہمیہ اور دور حاضر میں مراکش کے فرقہ اباضیہ کی تردید ہوتی ہے جو قرآن کو مخلوق مانتے ہیں، ساتھ ہی شیعہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو قرآن میں تحریف اور نقص کے قائل ہیں، نیز مرجئہ کے فرقہ کلابیہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی

آخری نبی ورسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا، توراۃ جسے موسی علیہ السلام پر نازل فرمایا، انجیل جسے عیسی علیہ السلام پر نازل فرمایا اور زبور جسے داود علیہ السلام پر نازل فرمایا اور وہ صحیفے[1] جنہیں ابراہیم اور موسی علیہما السلام پر نازل فرمایا، اہل سنت والجماعت ان تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جن کے نام اللہ نے ذکر فرمائے ہیں اور ان کتابوں پر بھی مجملہ طور پر ایمان لاتے ہیں جن کے نام ذکر نہیں کئے گئے ہیں، یہ تمام کتابیں حق ہیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، نیز یہ کہ قرآن کریم سب سے افضل اور عظیم ترین کتاب ہے، یہ تمام سابقہ کتابوں کی گواہی دینے اور انہیں منسوخ کرنے والی کتاب ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ [سورة المائدة:48].

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔

ہمیشہ سے بول رہا ہے، کلام اللہ کی ایسی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، وہ ایسا کلام ہے جس کا تعلق باطن اور نفس سے ہے، جو اللہ تعالی کی طرح قدیم ہے، اس کی مشیئت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نہ تو وہ حرف سے عبارت ہے اور نہ ہی آواز سے، نہ تو اس کے اجزاء ہیں اور نہ اس کے درمیان تفاوت وتفاضل پایا جاتا ہے، بلکہ اس کا ایک ہی معنی ہے۔ اسی طرح اشاعرہ اور ماتریدیہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو کلابیہ کی موافقت کرتے ہیں، تاہم وہ اس معاملہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کا کلام ازلی ہے، جو حکم دینے، منع کرنے اور خبر دینے سے عبارت ہے، اللہ تعالی ہمیشہ سے حکم کرتا رہا ہے، منع فرماتا رہا ہے اور خبر دیتا رہا ہے، غالی صوفیا، زنادقہ -بے دین- اور فلاسفہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: رسول ﷺ کے نفس اور دل سے باہر کلام الہی کا کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ کلام صرف وہی ہے جو دل میں معانی کی شکل میں وارد ہوتا، یا عقل متحرک وغیرہ سے صادر ہوتا ہے۔ وہ مستشرقین بھی اس تردید کی زد میں ہیں جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ نبی ﷺ کے عبقری ذہن کی پیداوار ہے، یا سابقہ کتابوں سے ماخوذ ہے، یا رومی قوانین سے مستفاد ہے، انہی مستشرقین کے نقش پا کی پیروی ان کے شاگرد طہ حسین بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دیکھیں: الصواعق المرسلة:۱/ ۲۳۰، أصول الکافی:۱/ ۱۸۸، الکشف والبیان لابی عبید اللہ محمد سعید الآمدی القلهانی:۱/ ۸۹، حکایة المناظرة فی القرآن مع بعض اہل البدعة للمقدسی:۱۷-۲۰، الرسالة الاکملیة فی مایجب للہ من صفات الکمال لابن تیمیة، حدیث النزول لابن تیمیة:۱۷۳، إغاثة اللهفان، ط دار الحدیث:۲/ ۶۱۸-۶۱۹، شرح العقیدة الطحاویة، ط المکتب الاسلامی:۱۶۸-۱۶۹

[1] فلاسفہ، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، روافض اور اباضیہ کی تردید ہوتی ہے کیوں کہ ان میں سے بعض اسماء وصفات کا انکار کرتے، جب کہ بعض صفات کا انکار کرتے اور اسماء کو بطور نام ثابت کرتے ہیں۔ دیکھیں: مقالات الاسلامیین:۱/ ۲۱۴، التنبیہ والرد:۹۶، الرسالة التدمریة:۱۸

چوتھا باب:

رسولوں پر ایمان لانا

اس کے اندر دو مباحث ہیں:

پہلا مبحث:

نبی اور رسول کی لغوی و اصطلاحی تعریف

- **نبی کی لغوی تعریف:**

یہ نبأ سے مشتق ہے، یبنئ عن اللہ عزوجل کے معنی ہوتے ہیں اللہ کے بارے میں خبر دینا، ایک قول یہ ہے کہ نبأ کے معنی راستہ کے ہوتے ہیں، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ اللہ تک پہنچانے والا راستہ ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ نبی، نبوت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں بالائی زمین، کیوں کہ نبی کی شان بھی بلند ہوتی ہے[(1)]۔

- **رسول کی لغوی تعریف:**

یہ رسل سے مشتق ہے، رسل کے اصل معنی سنجیدگی کے ساتھ چلنے کے ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے: ناقۃ رسلۃ اور ابل مراسیل یعنی آسانی سے چلنے والی اونٹنی اور اونٹ، اسی سے رسول منبعث ہے (یعنی بھیجا ہوا پیغامبر)[(2)]۔

- **نبی اور رسول کی اصطلاحی تعریف:**

نبی اور رسول دونوں کو آسمانی خبر کی وحی کی جاتی ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا جاتا ہے، لیکن نبی کو گزشتہ نبی کی شریعت ہی وحی کی جاتی ہے، جب کہ رسول کو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث کیا جاتا ہے تاکہ اسے کافر قوم تک پہنچائے، جیسے نوح علیہ السلام۔ نبی اور رسول کی تعریف اور دونوں کے درمیان تفریق کے سلسلے میں یہ سب سے عمدہ قول ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: (نبی وہ ہیں جنہیں اللہ خبر دیتا اور وہ اللہ کی خبر سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اگر انہیں حکم الٰہی کی مخالفت کرنے والوں کی طرف بھیجا جائے تاکہ وہ اللہ کا پیغام ان تک پہنچادیں تو وہ رسول ہیں۔ لیکن اگر وہ

---

(1) الصحاح: ۱/ ۴۷، معجم مقاییس اللغۃ: ۱/ ۴۷-۵/ ۲۸۵، لسان العرب: ۱/ ۱۶۲، المفردات: ۴۱۲

(2) الصحاح: ۴/ ۱۲۰۸، معجم مقاییس اللغۃ: ۲/ ۳۹۲، المفردات: ۱۹۵

سابقہ شریعت پر ہی عمل پیرا ہوں اور انہیں کسی قوم کی طرف پیغام پہنچانے کے لئے نہ بھیجا جائے تو نبی ہیں رسول نہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنَّىٰٓ أَلۡقَى ٱلشَّيۡطَٰنُ فِيٓ أُمۡنِيَّتِهِۦ﴾ [سورۃ الحج:52].

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا۔

اللہ تعالی نے اپنے قول (رسول اور نبی) کے ذریعہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالی دونوں کو ہی مبعوث فرماتا ہے، لیکن ان میں سے ایک کو رسالت و پیغامبری کے ساتھ مختص فرمایا ہے، جس سے مراد وہ رسول مطلق ہیں جن کو اللہ تعالی یہ حکم دیتا ہے کہ وہ مخالف قوم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیں جیسے نوح علیہ السلام)[1]۔[2]

رسول کے لئے یہ شرط نہیں کہ نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہو، کیوں کہ یوسف علیہ السلام رسول تھے، لیکن ملت ابراہیمی کے پیرو تھے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو رسالت کی تعریف میں یہ کہتے ہیں کہ اس کے اندر نبوت کے علاوہ مکلف بندوں تک احکام الہی کی تبلیغ بھی شامل ہوتی ہے، بر خلاف نبوت کے، کیوں کہ نبوت بعض غیبی امور سے واقفیت کا نام ہے، تاہم بعض انبیاء اپنے ماقبل نبی کی شریعت بھی پیش کرتے ہیں، لیکن ایسا کوئی نیا حکم لے کر نہیں آتے جو ان کے ماقبل کے مخالف ہو، ہر چند کہ اس تعریف کو بہت سارے اہل علم نے اپنی کتابوں[3] میں جگہ دی ہے، تاہم یہ تعریف درست نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم کے خلاف ہے[4]۔

---

[1] النبوات ط دار الکتب العلمیة:۲۵۵-۲۵۷، شرح الفقہ الاکبر للقاری ط دار الکتب العلمیة:۲۰، الارشاد مکتبۃ الخانجی:۳۵۵

[2] نصوص اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی اور نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: (دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے، اللہ تعالی نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا) بقرۃ:۲۱۳، اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں بیان فرمایا ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے: (لوگ حشر کے میدان میں - آدم کے بعد - نوح کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: آپ سب سے پہلے رسول ہیں)۔ دیکھیں: جامع البیان:۲/۳۴۷، فتح الباری:۶/۳۷۱

[3] یعنی نبی کی یہ تعریف کہ: جن کو وحی تو کی جائے لیکن تبلیغ کا حکم نہ ہو۔ اور رسول کی یہ تعریف کہ: جن کو وحی کے ساتھ تبلیغ کا حکم بھی ہو۔

[4] شرح العقیدۃ الطحاویۃ ط دار الفکر:۱۲۱

دوسرا مبحث:

واقعہ افک سے رسولوں پر ایمان لانے کا ثبوت

۱- قرآن کریم مکمل طور پر محمد ﷺ پر نازل ہوا، محمد ﷺ سب سے افضل اور آخری رسول ہیں، سورہ نور کی آیتیں آپ پر حضرت جبرئیل کے واسطہ سے نازل ہوئیں، جس سے آپ ﷺ کی رسالت ثابت ہوتی ہے۔

۲- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا لفظ مختلف مقامات پر وارد ہوا ہے، مثلا: (جب نبی کریم ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ ڈالتے، جن کا نام نکل جاتا انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔.... میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی۔... پھر جب آپ ﷺ اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے)[1]۔

اس حدیث سے محمد ﷺ کی نبوت ورسالت ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا، محمد ﷺ سب سے افضل اور آخری نبی تھے اور آپ کی رسالت نے تمام سابقہ رسالتوں کو منسوخ کر دیا۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ ان رسولوں پر ایمان لاتے ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے اور ان پر بھی جن کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں آیا ہے، ساتھ ہی یہ ایمان بھی رکھتے ہیں کہ انہوں نے پیغام الہی کو پہنچادیا[2]، امانت ادا کر دی اور امت کے ساتھ خیر خواہی کی[3]، نیز یہ کہ اللہ نے انہیں جھوٹ، خیانت،

---

[1] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے

[2] اس سے فلاسفہ، تاویل کرنے والوں اور اٹکل مارنے والے جاہلوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ رسولوں نے واضح طور پر پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ تعالی کے اسماء وصفات کو کھول کھول کر بیان نہیں کیا۔ دیکھیں: الفتوی الحمویۃ الکبری لابن تیمیہ ط المدنی: ۴۰-۴۶

[3] اس سے خواہش پرستوں کی کذب بیانی اور ان کا یہ دعوی منکشف ہو جاتا ہے کہ ان کی خواہشات کا مصدر ومنبع نبی ﷺ ہیں، چنانچہ روافض یہ دعوی کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہی شیعیت کی بنیاد رکھی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی بیج ڈالی،

وحی کو چھپانے اور اس میں کوتاہی کرنے سے محفوظ رکھا تھا۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لانے کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ نے جن چیزوں کی خبر دی[1]، ان کی تصدیق[2] کی جائے، آپ کے احکام کی اطاعت کی جائے، آپ کی منع کردہ منہیات سے بچا جائے اور اللہ کی عبادت آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کی جائے، تاکہ بندہ مسلم شہادت محمد رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح عملا برت سکے۔ تمام رسول اہل سنت والجماعت

یہاں تک کہ وہ نشوونما پاکر (تناور درخت ہوگئی)۔ صوفیا یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کا طریقہ ہی نبی ﷺ کا طریقہ ہے۔ اباضیہ کا یہ دعوی ہے کہ وہ جس منہج کے پیرو ہیں وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا ہے۔ اسی طرح قبر پرست اور حلولی جیسے باطل فرقے بھی اپنی خرافات اور بے بنیاد انحرافات کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں: دیکھیں: أصل الشیعۃ واصولها، آل کاشف الغطاء: ۱۰۹، التشیع والإسلام لباقر الصدر: ۱۴-۱۵، أبجدیۃ التصوف الاسلامی لمحمد زکی: ۱۰۰، الحکومۃ الاسلامیۃ: ۵۲-۵۳

[1] اس سے ان فلاسفہ اور عقل پرستوں کی گمراہی واضح ہوتی ہے جو قرآن کریم میں وارد دنیاوی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں، جیسے انبیاء کے معجزے مثلا صالح کی اونٹنی، عصائے موسی، ان کے لئے سمندر کا دو حصوں منقسم ہو جانا، عیسی کا دستر خوان، چاند کے دو ٹکڑے ہونا، رسول ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ پھوٹنا۔ بلکہ بعض عقل پرستوں نے اتنا غلو کیا کہ انبیاء کی تمام نشانیوں کا انکار بیٹھے، قرآنی فرقہ بھی انبیاء کی تمام نشانیوں کا انکار کرتا ہے، سوائے محمد ﷺ کے ایک معجزہ کے جو کہ قرآن کریم ہے۔ دیکھیں: المدرسۃ العقلیۃ الحدیثۃ، المدینۃ فی الإسلام لمحمد وجدی، منہج المدرسۃ العقلیۃ فی التفسیر للرومی: ۵۵۶-۵۵۷، القرآنیون وشبہہم حول السنۃ لبخش: ۳۰۷-۳۰۸، ۳۱۳-۳۱۴

[2] اس سے ان خواہش پرست قرآنیوں کی تردید ہوتی ہے جو سنت نبویہ کا انکار کرتے ہیں، اور خوارج کی بھی تردید ہوتی ہے جنھوں نے بہت ساری احادیث کو رد کیا جیسے رجم اور چوری کی سزائیں۔ بلکہ ان کے ایک فرقہ زیدیہ نے یہاں تک کہنے کی جسارت کرلی کہ ایک عجمی نبی شریعت اسلامیہ کو منسوخ کر دے گا۔ معتزلہ اور جہمیہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو احادیث آحاد کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھیں: عقائد الثلاث والسبعین فرقۃ: ۱/۳۰، ذکر مذاہب الفرق: ۴۱-۴۲، الفرق بین الفرق: ۲۱۰-۲۱۱، البرہان: ۲۹۱، التنبیہ والرد: ۲۹، الصواعق المرسلۃ: ۱/۲۳۱، الفتاوی: ۴/۳۱۹، النبوات ط دار الکتب العلمیۃ: ۲۵۵-۲۵۶، الصفدیۃ: ۲/۳۱۱

کے نزدیک دیگر فرد بشر کی طرح ہی انسان ہیں، لیکن اللہ نے انہیں نبوت[1] ورسالت کے لئے منتخب فرمایا، جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد ﷺ کی زبانی یہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلۡ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٞ مِّثۡلُكُمۡ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمۡ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ﴾[2] [سورۃ الکھف:110].

---

[1] اس سے عقل پرست، صوفیا اور فلاسفہ جیسے دین بےزار لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ نبوت کو مختلف روحانی اعمال اور نفسیاتی مشاقیوں کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح معتزلہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: رسولوں کو مبعوث کرنا اللہ پر واجب ہے، ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: (انبیاء ورسل کی بات کریں تو نبوت کے تین ایسے خصائص ہیں کہ جس کے اندر وہ پورے طور پر موجود ہوں وہ ان باطل فرقوں کے نزدیک نبی ہو جاتا ہے، پہلی خصوصیت: بلا کی ذکاوت ودانائی، جس کے ذریعہ برق رفتاری سے متوسط صورت حال کا اندازہ لگاسکے، دوسری خصوصیت: تصور اور تخیل کی قوت اتنی زیادہ ہو کہ اپنے دل میں ایسے نورانی اشکال کو تصور کرتا ہو جو اسے مخاطب کر رہے ہوں اور وہ اس خطاب کو سننے اور دوسروں تک اس تصور کو پیش کرنے کا ملکہ رکھتا ہو۔ تیسری خصوصیت: اپنے افعال وحرکات سے کائنات کے نظام میں اثر ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں، اس کا طریقہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ تمام تر تعلقات سے دل کو الگ کر کے ان مفارقات (ذہن ودل) سے اس کا رشتہ استوار کیا جائے جو ہر طرح کے میلان ورجحان سے خالی ہوں، یہ خصائص مشق اور محنت سے حاصل کئے جاسکتے ہیں، اس لئے ان کے مذہب میں نبوت کی طلب بھی تصوف کا ہی حصہ ہے)۔ دیکھیں: لوامع الانوار: ۲/ ۲۵۸-۲۶۸، إغاثۃ اللھفان ط دار الحدیث: ۲/ ۲۱۹

[2] بعض گمراہ فرقے جیسے شیعہ، مرجئہ اور صوفیہ محبت رسول ﷺ کا دعوی کرتے ہیں، اس لئے آپ انہیں بعض اسلامی ممالک میں دیکھیں گے کہ خوب اچھی طرح وضو کر کے خشوع وخضوع اور حاضر دماغی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، اس کے بعد اپنے وہم وگمان کے مطابق انبیاء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے سلام کرتے ہیں، اور اپنی زبان سے ایسی عبارتیں نکالتے ہیں کہ عقلمند انسان اس طرح کی عبارتیں- غیر اللہ کے لئے- اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا: اے جن وانس کے مالک میری مدد فرما، میری ضرورت پوری کر، میری پریشانی دور کر دے، یہ اور اس طرح کی دیگر ایسی عبارتیں جو انسان کو دین سے باہر کر دیتی ہیں، وہ ان جملوں کو مسجد نبوی کے اندر اور نبی ﷺ کی قبر کے پاس بھی دہراتے ہیں اور نبی ﷺ کی محبت اور احترام کا زعم رکھتے ہیں۔ دیکھیں: الصواعق الشھابیۃ علی الشبہ الداحضۃ الشامیۃ لابن سحمان: ۴۷، تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد، الالبانی، إقامۃ البراھین علی حکم من استغاث بغیر اللہ للشیخ ابن باز: ۲۵-۴۴

ترجمہ: آپ کہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ ہاں میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔

اہل سنت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء ورسل کبیرہ گناہوں سے معصوم تھے۔ جہاں تک صغیرہ[1] گناہوں کی بات ہے تو اس قسم کے گناہ ان سے سرزد ہو سکتے ہیں[2]۔ لیکن ان غلطیوں پر انہیں اللہ کی طرف سے تنبیہ ملتی ہے اور وہ فوراً اللہ کے حضور توبہ وانابت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے جب بھی کسی نبی کی بابت اس طرح کی غلطی کا ذکر فرمایا تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر فرمایا کہ انہوں نے اس سے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ شیخ الإسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: (جمہور علماء سے عموماً یہی قول منقول ہے کہ انبیاء ورسل اس بات سے معصوم نہیں کہ ان سے صغیرہ گناہ کا صدور ہو اور ان کی تنبیہ نہ کی جائے۔ (بلکہ اس طرح کے گناہ پر اللہ انہیں متنبہ فرماتا ہے)[3]۔ اہل سنت کا یہ موقف نہیں کہ انبیاء ورسل سے قطعی طور پر صغیرہ گناہ سرزد ہی نہیں ہوتے)۔ معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ایک معتدل اور متوسط مسلک ہے جس میں نہ تو غلو

---

[1] اس سے روافض کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی ہر طرح کے چھوٹے بڑے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان غلطیوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں جو بھول چوک، سہو اور تاویل کی بنیاد پر انسان سے سرزد ہو جایا کرتی ہیں، نیز معتزلہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو مطلقاً انبیاء کی عصمت کا عقیدہ رکھتے ہیں کیوں کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ گناہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ دیکھیں: المقالات: ۱/ ۲۰۴، اصول الدین ط دار الکتب: ۲۴۹، تنشابہ القرآن ط دار النصر: ۱/ ۱۳۲-۱۳۳، مقدمۃ التوحید لابی حفص: ۵۰، شرح الاصول الخمسۃ: ۵۳، الفتاوی: ۱۰/ ۱۵، ۲۹۳/ ۳۴۸

[2] اس سے روافض کے اس دعوی کی بھی تردید ہوتی ہے کہ ان کے ائمہ معصوم عن الخطاہیں، بلکہ انہوں نے اپنے اماموں کے بارے میں اتنا غلو سے کام لیا کہ انہیں معبود کا درجہ دے دیا، وہ اس طرح کے ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے لگے کہ ان کے پاس غیب کا علم ہے، وہ نفع ونقصان کے مالک ہیں، اور ان صفات سے متصف ہیں جن سے معبود متصف ہے کیوں کہ ان کے وہم وگمان کے مطابق معبود کی روح ان کے اندر حلول کر جاتی ہے، اسی طرح صوفیا کی بھی تردید ہوتی ہے جنہوں نے اپنے مشائخ کے تقدس میں اتنا مبالغہ کیا کہ ان کے بارے میں عصمت کا دعوی کر بیٹھے۔ دیکھیں: لطائف المنن والاخلاق للشعرانی۔ اس کے اندر اولیاء کو رسولوں پر فضیلت دینے کے سلسلے میں بہت سے خرافات موجود ہیں۔ اصول الکافی: ۱/ ۴۲۷، الحکومۃ الاسلامیۃ: ۵۲-۵۳

[3] الفتاوی: ۱۰/ ۲۹۳، ۱۵/ ۱۴۸

کی آمیزش ہے اور نہ تفریط اور گستاخی[1] کا شائبہ ہے۔ اسی لئے وہ لغزشوں سے محفوظ ہیں اور دوسروں کے لئے بھی سلامتی کے علمبردار ہیں۔

[1] دور حاضر میں تفریط اور گستاخی کا ایک بڑا مظہر ان جدت پسندوں کی تحریروں میں نظر آتا ہے جو اپنی کتابوں اور اخبارات میں ایسے سنگین مقالات لکھتے ہیں کہ جن سے جوان انسان بوڑھا ہو جائے اور عاقل و دانشمند حیران و ششدر رہ جائے، ان گستاخوں میں سلمان رشدی کا نام سر فہرست ہے جس نے شیطانی آیات کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، یہ برطانیہ کی شہریت رکھتا ہے اور اصلا ہندوستانی ہے، برطانیہ نے اسے اپنی کتاب نشر کرنے کے لئے پشت پناہی دی، اور اس کے لئے بہت بڑا مالی امداد بھی فراہم کیا، ساتھ ہی یورپ اور امریکہ نے بھی پوری دنیا میں اس کی کتاب کو نشر کرنے کے لئے سلامتی تحفظ فراہم کیا، اس کتاب میں انبیاء کرام اور بطور خاص محمد اور ابراہیم علیہما السلام کی شان میں گستاخی کی گئی ہے۔

دیکھیں: بین الاصالۃ والحداثۃ لاحمد فرج عقیلات: ۱۵، الحداثۃ فی میزان الاسلام للقرنی: ۱۰۶، شعراء السعودیۃ المعاصرون ڈاکٹر احمد کمال زکی: ۱۴۴

پانچواں باب:

یوم آخرت پر ایمان لانا

اس کے اندر دو مباحث ہیں:

پہلا مبحث:

یوم آخرت کی لغوی واصطلاحی تعریف

- **یوم لغت میں:** سورج طلوع ہونے سے لے کر اس کے غروب ہونے تک کی مدت کو کہتے ہیں، بسا اوقات اس کا استعمال زمانی مسافت کے لئے ہوتا ہے خواہ اس کی مقدار جو بھی ہیں[1]۔
- آخرت لغت میں: اول اور پہلے کی ضد ہے[2]۔
- **یوم آخرت کی اصطلاحی تعریف:** اس سے مراد وہ آخری دن ہے جب پوری کائنات فنا ہو جائے گی اور اس زندگی کا بالکلیہ خاتمہ ہو جائے گا، اخروی زندگی کی آمد اور شروعات ہوگی، اس دن کو آخرت کا دن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایسا دن ہوگا جس کے بعد کوئی دن نہیں[3]۔

---

[1] المفردات:۵۳۳

[2] سابق مرجع:۱۳-۱۴

[3] التذکر فی احوال الموتی للقرطبی ط المکتبۃ السلفیۃ:۲۳۳، النہایۃ فی الفتن والملاحم لابن کثیر، ط دار النصر:۱/۲۵۵-۲۵۶

دوسرا مبحث:

واقعہ افک سے یوم آخرت پر ایمان لانے کا ثبوت

۱-اللہ تعالی سورۃ نور میں فرماتا ہے: ﴿لِكُلِّ ٱمْرِيٍٕ مِّنْهُم مَّا ٱكْتَسَبَ مِنَ ٱلْإِثْمِ ۚ وَٱلَّذِى تَوَلَّىٰ كِبْرَهُۥ مِنْهُمْ لَهُۥ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾﴾ [سورۃ النور:11].

ترجمہ: ان میں سے ہر شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام دیا ہے، اس کے لئے عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی ابو بکر کے اہل خانہ کو خطاب کر رہا ہے کہ (تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو) بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ان کے لئے ذکر خیر ہے اور آخرت میں بلند مقامات، اس کے بعد اللہ نے فرمایا: (ان میں سے ہر شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے) یعنی اس مسئلہ میں جس نے بھی اپنی زبان کھولی اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو کسی طرح کے کار بد سے متہم کیا، اگر اس نے توبہ نہ کی یا منافق رہا، تو اس کے لئے دنیا و آخرت میں بڑی سزا ہے، رہی بات منافقوں کے سردار کی جو اس معاملہ میں سب سے آگے پیش پیش رہا تو اس کے لئے سب بڑا عذاب ہے۔

۲-اللہ فرماتا ہے: ﴿لَمَسَّكُمْ فِى مَآ أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾﴾ [سورۃ النور:14].

ترجمہ: تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

اللہ تعالی نے مومنوں کی توبہ وانابت کو قبول فرمایا اور ان کی مغفرت فرمائی، اگر وہ مومن نہ ہوتے اور توبہ وانابت نہ کرتے تو اللہ انہیں بھی قیامت کے روز بڑے عذاب سے دوچار فرماتا۔

اللہ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾﴾ [سورۃ النور:19].

ترجمہ: جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جو شخص کوئی بری بات سنے، اور اس کا کوئی حصہ اس کے ذہن میں بیٹھ جائے تو اس کا چرچا نہ کرنا شروع کر دے اور ہر جگہ اس کو موضوع گفتگو نہ بنائے اور نہ اس کو پھیلائے، جس نے ایسی کوئی بات پھیلائی تو دنیا میں اس پر حد نافذ کر کے اسے دردناک سزا دی جائے گی اور اگر توبہ نہ کرے تو آخرت میں بھی اس کے لئے تکلیف دہ عذاب ہے[1]۔

کتاب و سنت سے یہ ثابت ہے کہ مستحقین کو دردناک عذاب دیا جائے گا، اس لئے اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالی اور نبی ﷺ نے جو بھی خبر دی ہے اس کی حتمی تصدیق کی جائے اور اس پر ایمان لایا جائے، جیسے قبر کی نعمت اور عذاب[2] اور صور پھونکنا[3]۔ تاہم ان کے درمیان اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ آیا تین دفعہ صور پھونکا جائے گا یا دو دفعہ، لیکن دونوں گروہ کا استدلال کتاب و سنت پر مبنی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ط دار السلام والفیحاء: ۳/۲۹۸-۳۱۰

[2] اس سے ان خوارج، اباضیہ، شیعہ، معتزلہ، جہمیہ، قرامطہ، اسماعیلیہ، دروز، جدت پرست اور بوذی جیسے فرقوں کی تردید ہوتی ہے جو قبر کے عذاب اور اس کی نعمت کا انکار کرتے ہیں، قبر کے اندر جسم اور روح دونوں کو عذاب اور انعام ملتا ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب اور انعام صرف روح کو دیا جاتا ہے، یا محض جسم کو دیا جاتا ہے، ان کی رائے درست نہیں ہے، بلکہ یہ حق وراستی سے دوری ہے۔ دیکھیں: المقالات: ۱۰۰-۱۰۱، ۱۶۸، ۱۶۷، الفرق بین الفرق: ۱۶-۱۷، ۲۲-۲۳، البرہان: ۶۶-۸۱، مسند الربیع بن حبیب: ۴/۳۱-۳۲، رسائل اہل الثغر للاشعری: ۸۲-۸۸، رسالۃ فی کتب الاباضیۃ: ۱۰

[3] اس سے ان قرامطہ، باطنیہ، فلاسفہ، مشائیہ (فلاسفہ کا ایک گروہ)، نصیریۃ اور عقل پرستوں کی تردید ہوتی ہے جو صور پھونکے جانے کا انکار کرتے ہیں، عقل پرستوں کی اتراہٹ یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ کہنے لگے: صور پھونکنے سے مراد یہ ہے کہ لوگ بہت تیزی سے (ارض محشر میں) جمع ہوں گے۔ دیکھیں: شرح العقائد النسفیۃ: ۶۷، شرح الاصول الخمسۃ: ۷۳۰، تفسیر جزء عم لمحمد عبدہ: ۶

اہل سنت مخلوق کو قبر سے اٹھائے جانے اور قیامت کی ہولناکیوں کے برپا ہونے پر بھی ایمان رکھتے ہیں جیسے پل صراط[1]، حوض[2]، شفاعت[3]، جنت اور اس کی نعمت[4]، جہنم اور اس کا عذاب۔ نیز وہ قیامت کی چھوٹی اور بڑی نشانیوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ چھوٹی نشانیوں میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آپ کی وفات، بیت المقدس کی فتح، طاعون عمواس، مال ودولت کی کثرت، صدقہ وخیرات سے بے نیازی، فتنوں کا ظہور اور مدعی نبوت کا ظہور وغیرہ شامل ہیں۔ جب کہ بڑی نشانیوں کا ذکر قرآن کریم اور صحیح حدیث میں آیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ اس سے پہلے دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں، دھواں کا ظہور، دجال

---

[1] اس سے ان خوارج، اباضیہ، معتزلہ اور جدت پسندوں کی کذب بیانی ظاہر ہو جاتی ہے جو پل صراط کا انکار کرتے ہیں، جدت پسندوں کی جرات کی انتہا یہ ہے کہ وہ قیامت کی تمام ہولناکیوں کو محض منظر کشی اور تخیلات سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیکھیں: عقیدۃ الدروز، للخطیب ط دار عالم الکتب: ۱۲، مذاہب الاسلامیین لبدوی ط دار العلم: ۲/ ۵۰۹، نظم المتناثر: ۱۴۸

[2] اس سے ان خواہش پرستوں اور بدعتی خوارج، معتزلہ، شیعہ، اسماعیلیہ، نصیریہ اور جہمیہ وغیرہ کی تردید ہوتی ہے جو حوض کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھی: التنبیہ والرد: ۳۴، البرہان: ۶۶-۶۷، اعتقادات فرق المسلمین: ۶۱-۶۲، صبح الاعشی للقلشندی: ۱۳/ ۴۹، العلویون للعسکری: ۱۰۴-۱۰۹، دراسات فی الفرق لطعیمۃ ط المعارف: ۷۳-۷۲

[3] اس سے ان جہمیہ، خواج، معتزلہ، شیعی فرقہ جارودیہ، اسماعیلیہ اور دروز وغیرہ کی تردید ہوتی ہے جو قیامت کے دن رونما ہونے والی شفاعت، اس کے اقسام اور میزان کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھیں: زاد المسیر: ۳/ ۱۷۰، تفسیر القرطبی: ۷/ ۱۶۵، المواقف فی علم الکلام: ۳۸۴، شرح المقاصد: ۱۲۰، الغنیۃ فی أصول الدین: ۱۶۶

[4] اس سے ان فرقوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم قیامت کے دن فنا ہو جائیں گے، اور ابھی ان کا وجود نہیں ہے، اور یہ کہ قیامت کے دن ہی اللہ تعالی انہیں پیدا فرمائے گا۔ نیز ان کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی جنتیوں کی نعمت میں ذرا بھی کمی لانے کی قدرت نہیں رکھتا کیوں کہ نعمت ان کا حق ہے، اسی طرح جہنمیوں کے عذاب میں ذرہ برابر بڑھوتری کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، نہ ہی کسی جنتی کو جنت سے نکال سکتا ہے، نہ کسی ایسے شخص کو جہنم میں ڈال سکتا ہے جو جہنمی نہیں۔ یہ معتزلی فرقہ نظامیہ کا عقیدہ ہے۔ اس مقام پر ان باطنیہ، قرامطہ، اسماعیلیہ، دروز، نصیریہ اور عقل پرستوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو جنت کی نعمت اور جہنم کے عذاب کا انکار کرتے ہیں اور اس سلسلے میں وارد نصوص کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد دنیا کی لذت واذیت، اور دنیا ہی کی سعادت وبدبختی ہے۔ اسی طرح ان متعزلہ، جہمیہ، خوارج اور امامیہ وغیرہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو اہل جنت کی سب سے بڑی نعمت رؤیت الہی کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھیں: الملل والنحل: ۱/ ۴۵، الفرق بین الفرق: ۱۱۵، نہایۃ الاقدام: ۴۰۵، الارشاد للجوینی: ۲۸۷، نظریۃ التکلیف لعبد الکریم عثمان: ۴۰۰

کا ظہور، چوپایہ کا ظہور، سورج کا پچھم سے طلوع ہونا، ظہور عیسی بن مریم[1]، یاجوج وماجوج کا خروج[2]، اور تین جگہوں: مغرب، مشرق، اور جزیرہ عرب میں خسف (زمین کا دھنسنا) اور سب سے آخر میں یمن کی طرف سے ایک آگ ظاہر ہوگی جو ہانک کر لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی)[3]۔ چنانچہ جو لوگ اہل سنت والجماعت کی طرف ان کے مذکورہ عقائد کے خلاف کوئی قول منسوب کرتے ہیں، یہ ان کی غلط بیانی اور افترا پردازی ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام اوران کے شاگرد ابن القیم کی طرف یہ منسوب کیا گیا کہ وہ جہنم کے فنا ہونے کے قائل ہیں، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ شیخ الإسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جہنم کے فنا کے قائلین کی شدید نکیر کی ہے[4]، اور یہ بیان کیاہے کہ امت کے سلف اور جمہور مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسی رائے رکھنے والا گمراہ ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب الرد علی من قال بفناء الجنۃ والنار کی نسبت شیخ الاسلام کی طرف درست ہے۔ لیکن اس کتاب کی نسبت ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف درست نہیں، تاہم ان کی مختلف کتابوں میں بھی اس کی وضاحت آئی ہے کہ جنت اور جہنم فنا نہیں ہوں گے، مثلا ان کی کتاب الوابل الصیب میں یہ تصریح موجود ہے کہ: (یہ دنوں مقامات فنا نہیں ہوں گے)۔ ان کی کتاب حادی الارواح میں یہ عبارت آئی ہے کہ: (اس کے لئے اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، جنت اور جہنم

---

[1] اس سے ان لوگوں کی کذب بیانی واضح ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے عیسی علیہ السلام کو وفات دے دی، پھر ان کو زمین پر اتارے گا اور پھر ان کو وفات دے گا، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کی وفات نہیں ہوئی ہے، اللہ تعالی انہیں آخری زمانے میں اتارے گا تاکہ ان یہودیوں کی یہ دروغ گوئی واشگاف ہو جائے کہ انہوں نے ان کو قتل کر دیا، ساتھ ہی اس سے ان کی بھی قلعی کھلتی ہے جو نزول عیسی کا انکار کرتے ہیں، بلکہ محمد عبدہ اور رشید رضانے قیامت کی اس عظیم نشانی کی پوری توانائی کے ساتھ رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھیں: النہایۃ فی فتن الملاحم لابن کثیر: ۱/۱۱۸، الاذاعۃ لصدیق حسن خان: ۱۲۹، التصریح بما تواتر فی نزول عیسی للکشمیری: ۴۸، المقال فی رفع عیسی علیہ السلام ونزولہ للہراس: ۵۲-۷۴

[2] اس سے ان لوگوں کی کذب بیانی اور افترا پردازی واضح ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج سے مراد چین کی اونچی فصیل ہے اور اس نام کی کوئی مخلوق نہیں پائی جاتی، ساتھ ہی ان کی غلط بیانی واشگاف ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج آدم کی اولاد ہیں، حوا کی نہیں، یہ لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو نیند آئی اور وہ بدخوابی میں پڑ گئے، چنانچہ ان کی منی زمین میں مل گئی، جس سے یاجوج وماجوج وجود میں آئے۔ دیکھیں: فتح الباری: ۶/۳۸۶، ۱۳/۱۰۶، ۱۰۷

[3] صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اشراط الساعۃ: ۲۷/۲۹

[4] الفتاوی: ۳/۳۰۴، ۱۲/۴۵، ۱۸/۳۸۰، موافقۃ صحیح المنقول ط دار الکتب العلمیۃ: ۱/۲۲۷-۲۲۸، العقود الدریۃ من مناقب شیخ الاسلام لابن عبد الہادی: ۴۹، السیر: ۱/۷۶

کبھی نہیں فنا ہوں گے اور نہ جو ان دونوں کے اندر ہیں، وہ فنا ہوں گے)[1]۔ معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں سلف کا اجماع ہے۔ ان دونوں ائمہ کی طرف اس قول کی نسبت بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ کئی ایک اسکالر[2] نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جہنم ہمیشہ باقی رہے گا۔

[1] حادی الارواح ط دار التراث: ۷۹

[2] ان میں سر فہرست یہ تحقیقات ہیں: کشف الاستار لابطال ادعاء فناء النار المنسوب لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ، ڈاکٹر الحربی، الرد علی من قال بفناء النار و بیان الاقوال فی ذلک، ڈاکٹر السمہری، الصواعق المرسلۃ کا مقدمہ، ڈاکٹر الفقیہی اور ڈاکٹر الغامدی۔

چھٹا باب:

قضاء وقدر پر ایمان لانا

اس کے اندر دو مباحث ہیں:

پہلا مبحث:

قضاء وقدر کی لغوی واصطلاحی تعریف

- قضاء لغت میں: حکم دینے، ادا کرنے، انجام تک پہنچانے، فیصلہ کرنے، فارغ ہونے، خبر دینے اور موت کے معانی میں آتا ہے، یہ تمام معانی جس معنی کی طرف لوٹتے ہیں وہ ہے منقطع اور مکمل ہونا[1]۔

- قدر لغت میں: فیصلہ، حکم، طاقت، اندازہ، فراخی، طاقت اور تنگی کے معنی میں آتا ہے، معلوم ہوا کہ قضاء لغت میں قدر کے معنی میں اور قدر قضاء کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں[2]۔

- قضاء کی اصطلاحی تعریف: قضاء سے مراد وہ فیصلہ ہے جو اجمالی اور کلی طور پر ازل میں لیا گیا[3]۔

- قدر کی اصطلاحی تعریف: اللہ تعالی تمام چیزوں کی تقدیر اور ان کے زمانہ وقوع سے، ان چیزوں کو وجود میں لانے سے قبل سے باخبر ہے، پھر اللہ نے ان چیزوں کو وجود میں لایا جن کا وجود میں آنا اس کے علم میں تھا، چنانچہ ہر وہ چیز جو وقوع پزیر ہے، وہ اللہ کے علم، قدرت اور ارادہ سے وقوع پزیر ہے[4]۔

علماء نے قضاء وقدر کے درمیان تفریق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: (قضاء سے مراد: ازل میں اجمالی طور پر لئے گئے عمومی فیصلے ہیں، جبکہ قدر سے مراد: اس عموم کی مختلف جزئیات کے واقع ہونے کا تفصیلی فیصلہ ہے)۔

صحیح رائے یہ ہے کہ قضاء وقدر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ شریعت کے ثابت شدہ نصوص کے اندر دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی گئی ہے، بلکہ قضاء کا اطلاق قدر پر اور قدر کا اطلاق قضاء پر بھی ہوتا ہے[5]، یہی وجہ ہے کہ قضاء وقدر

---

[1] الصحاح:٦/٢٤٦٣، لسان العرب:١٥/١٨٦، النهاية في غريب الحديث:٤/٧٨

[2] الصحاح:٢/٧٨٦، معجم مقاييس اللغة:٥/٦٢، النهاية في غريب الحديث:٤/٢٣

[3] فتح الباري:١١/٤٧٧، هدى الساري:١٧٤

[4] معجم مقاييس اللغة:٥/٦٢-٦٣، الروضة الندية شرح العقيدة الواسطية لآل فياض:٢٩، القضاء والقدر للأشقر:٢٥

[5] القضاء والقدر للمحمود:٣٠-٣٢

کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی ہے: ازل میں اللہ تعالی کا تمام چیزوں کی تقدیر مقدر کرنا، اور یہ علم رکھنا کہ یہ چیزیں ان معلوم اوقات میں، مخصوص صفات کے ساتھ واقع ہوں گی (جن سے اللہ باخبر ہے)، نیز اللہ تعالی کا اس تقدیر کو تحریر میں لانا، اس میں اللہ کی مشیئت کا شامل ہونا، اور اللہ تعالی کی تقدیر اور تخلیق کے مطابق ان چیزوں کا واقع ہونا۔

دوسرا مبحث:

واقعہ افک سے قضاء وقدر پر ایمان لانے کا ثبوت

۱- اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ جَآءُو بِٱلۡإِفۡكِ عُصۡبَةٞ مِّنكُمۡۚ لَا تَحۡسَبُوهُ شَرّٗا لَّكُمۖ بَلۡ هُوَ خَيۡرٞ لَّكُمۡۚ لِكُلِّ ٱمۡرِيٕٖ مِّنۡهُم مَّا ٱكۡتَسَبَ مِنَ ٱلۡإِثۡمِۚ وَٱلَّذِي تَوَلَّىٰ كِبۡرَهُۥ مِنۡهُمۡ لَهُۥ عَذَابٌ عَظِيمٞ ١١﴾ [سورۃ النور:11].

ترجمہ: یہ لوگ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں یہ بھی تم میں سے ہی ایک گروہ ہے۔ تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سر انجام دیا ہے اس کے لئے عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

اللہ پاک وبرتر یہ واضح کر رہا ہے کہ اولیاء اللہ پر جو آزمائش آتی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے، کیوں کہ اس سے جو تکلیف دنیا میں حاصل ہوتی ہے وہ کم ہے، لیکن اس کے اندر جو بھلائی چھپی ہوئی ہے، وہ آخرت میں ملنے والا بہت زیادہ ثواب ہے۔ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے اہل خانہ اور جو بھی اس تہمت کی زد میں آئے، ان سب کو یہ باور کرایا ہے کہ - اس واقعہ کے اندر - خیر وبھلائی کا رجحان، برائی کے پہلو پر غالب ہے[1]۔ آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قضاء وقدر پر اور اس بات پر کہ اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے، ایمان لانا واجب ہے، تخلیق اللہ کی ایک ایسی صفت ہے جو صرف اللہ تعالی ہی کے لئے خاص ہے، اللہ ہی تن تنہا خالق ہے، اس کے سوا سب کے سب اس کی مخلوق اور بندے ہیں، تخلیق قضاء وقدر کا ایک مرتبہ ہے، جو بھی خیر وشر، سعادت وبد بختی، ہدایت وگمراہی، ایمان وکفر، اطاعت ونافرمانی واقع ہو رہی ہیں، بندوں کے تمام افعال، حرکات وسکنات، خواہ اختیاری ہوں یا اضطراری، یہ تمام کے تمام اللہ کے قضاء وقدر کے مطابق واقع ہو رہے ہیں، اللہ کو ان سب کا علم (ازل سے ہی) تھا، اللہ نے ان سب کی تقدیر ان کے وجود میں

---

[1] الجامع لأحکام القرآن: ۱۸/۱۲

آنے سے قبل ہی لوح محفوظ میں تحریر فرمادی تھی، یہ سب اللہ کی مشیئت اور اس کی تخلیق سے واقع ہو رہے ہیں[1]، جہاں تک ان نصوص شرعیہ کی بات ہے جن کے اندر شر اور برائی کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے، جیسے اللہ کے اس فرمان میں: ﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِيٓ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي ٱلْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾﴾ [سورۃ الجن:10].

ترجمہ: ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔

اس آیت میں جنوں نے بھلائی کی نسبت اللہ کی طرف کی، جب کہ برائی کے فاعل کو حذف کر دیا، حدیث میں بھی اس کی مثال موجود ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں: (حاضر ہوں، فرماں بردار ہوں، اور ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے)[2]۔ ادب واحترام کا لحاظ کرتے ہوئے ان نصوص کے اندر اللہ کی طرف صرف خیر وبھلائی کی نسبت کی گئی ہے، جب کہ بھلائی کی طرح برائی بھی اللہ کی تقدیر سے وقوع پزیر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ اس آیت کے اندر قضاء وقدر کے چوتھے مرتبہ کو ثابت کیا گیا ہے، چنانچہ اس سے پہلے کے جو مراتب ہیں وہ بھی ثابت کئے جائیں، جو کہ علم، کتابت، مشیئت ہیں، اور آخری مرتبہ تخلیق ہے[3]۔

جہاں تک اس آیت کی بات ہے:

﴿لِكُلِّ ٱمْرِيٍٕ مِّنْهُم مَّا ٱكْتَسَبَ مِنَ ٱلْإِثْمِ ۚ وَٱلَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُۥ مِنْهُمْ لَهُۥ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾﴾ [سورۃ النور:11].

ترجمہ: ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے، اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سر انجام دیا ہے اس کے لئے عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

تو یہ آیت واضح کرتی ہے کہ بندہ اپنے کام کا خود ہی ذمہ دار ہے، اگر بھلائی کا کام کیا تو اس کے لئے بھلائی ہے اور برائی کیا تو اس کے لئے برائی ہے۔

---

[1] شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی: ۲/ ۵۳۴-۶۲۳، عقیدۃ السلف أصحاب الحدیث: ۹۰-۹۵

[2] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب التلبیۃ والتکبیر: ۳/ ۴۱۹

[3] اس سے ان ملحدین وبے دین، معتزلہ، روافض، ماتریدیہ اور ان کے پیروکار کوثری کی تردید ہوتی ہے جو تقدیر کے دو مراتب تخلیق اور ارادہ کا انکار کرتے ہیں، اسی طرح محمد عبدہ اور محمود شلتوت وغیرہم جیسے اشاعرہ کی بھی اس سے تردید ہوتی ہے۔ دیکھیں: اعتقادات الصدوق: ۱۹۷، الشیعۃ بین الاشاعرۃ والمعتزلۃ للحسینی: ۲۴۰، برائۃ الأمۃ من الوقیعۃ فی علماء الامۃ لبکر ابو زید، الاعمال الکاملۃ لمحمد عبدہ: ۳/ ۴۸۴-۴۸۵

اس سے ان لوگوں کے رائے کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ: بندہ اپنے کام پر مجبور ہے، اس کی حیثیت اس ریشہ کی سی ہے جو ہوا کے جھونکے سے اڑ جاتا ہے[1]، نیز اس قول کی بھی تردید ہوتی ہے کہ: (انسان کو ایسی طاقت وقوت حاصل ہے کہ جس کی کوئی تاثیر نہیں)[2]۔

۲- اللہ فرماتا ہے:

﴿وَيُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ﴿وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾﴾ [سورۃ النور:18].

ترجمہ: اللہ تعالی تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرمارہا ہے، اور اللہ تعالی علم وحکمت والا ہے۔

نیز یہ کہ: ﴿وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾﴾ [سورۃ النور:19].

ترجمہ: اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

یہ دونوں آیتیں واضح طور پر اللہ عزوجل کی صفت علم کو ثابت کرتی ہیں، اہل سنت والجماعت کے نزدیک علم قضاء وقدر کے مراتب میں سب سے پہلا مرتبہ ہے، پہلی آیت کے اندر اللہ تعالی کی حکمت ثابت کی گئی ہے، کیوں کہ اللہ تعالی کے تمام تر افعال حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، حکمت دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے، ایک تو وہ جو اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور اللہ جسے چاہتا اور پسند فرماتا ہے، دوسری وہ جو بندوں کی طرف لوٹتی ہے اور وہ ہے اللہ کی نعمت جس سے وہ شاد کام ہوتے ہیں۔ یہ حکمت جہاں اللہ کے احکام واوامر میں ہوتی ہے وہیں اللہ کی تخلیقات میں بھی اس کی حکمت پوشید ہے[3]۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت اس پر حتمی اعتقاد اور یقینی ایمان رکھتے ہیں کہ قضاء وقدر کے اندر جو بھی بھلائی

---

[1] یہ غالی قسم کے صوفیا اور جہمیہ کے فرقہ جبریہ کا عقیدہ ہے، دور حاضر میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ابلیس کا دفاع کرتے اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ اللہ نے اس پر ظلم کیا، اسے موجودہ صورت حال اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور اسے توبہ سے باز رکھا، جیسا کہ جلال العظم اور توفیق الحکم کا دعوی ہے، بلکہ انتہا تو یہ ہے کہ شیطان کے پجاریوں کا ایک گروہ ایسا بھی رونما ہوا جو یہ دعوی کرتا ہے کہ شیطان اللہ سبحانہ وتعالی سے زیادہ طاقت ور ہے، اللہ ان افتراپردازوں کی افتراپردازی سے بہت بلند ہے۔ دیکھیں: صراع مع الملاحدۃ حتی العظم للمیدانی: ۳۵۴-۳۵۸، القضاء والقدر فی الاسلام للدسوقی: ۱/ ۳۷-۳۹

[2] یہ ان اشاعرہ کا قول ہے جو بندہ کے لئے عمل کو ثابت کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ اسے عمل کی قدرت حاصل نہیں۔ دیکھیں: الاصفہانیۃ: ۲۳۶-۲۶۴، الفتاوی: ۸/ ۳۵-۳۶

[3] اس سے ان فلاسفہ، جہمیہ اور اشاعرہ کی تردید ہوتی ہے جو اللہ تعالی کی حکمت کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھیں: الاصفہانیۃ: ۲۳۶-۲۶۴

وبرائی، شیرینی و تلخی ہے وہ سب اللہ تعالی کی طرف سے ہے، اللہ عزیز وبرتر کا فرمان ہے: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ۝٤٩﴾ [سورۃ القمر:49].

ترجمہ: بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے۔

ساتھ ہی وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ: قضاء وقدر کے چار مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ: اللہ سبحانہ وتعالی کا چیزوں کے وجود میں آنے سے پہلے ان سے باخبر ہونا:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝٦٢﴾ [سورۃ العنکبوت:62].

ترجمہ: یقینا اللہ تعالی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

دوسرا مرتبہ: اللہ تعالی کا ان چیزوں کے وجود میں آنے سے پہلے ان کی تقدیر کو لکھنا[1]، اللہ فرماتا ہے:

﴿قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا﴾ [سورۃ التوبۃ:51].

---

[1] اس سے فرقہ ماتریدیہ کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ کا فیصلہ تبدیل بھی ہو سکتا ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ: (اللہ جو چاہے مٹادے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے)۔ نیز اشاعرہ کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تقدیر الہی کبھی تبدیل نہیں ہو سکتی، اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ: (تم میں سے ہر آدمی اپنی ماں کے شکم میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن تک علقہ -یعنی جمے ہوئے خون- کی شکل میں رہتا ہے... پھر اللہ تعالی اس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار چیزوں کے لکھنے کا حکم کیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کی موت، اس کا عمل اور یہ چیز کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت)۔ صحیح رائے یہ ہے کہ قضاء وقدر کی دو قسمیں ہیں: سابق اور لاحق، سابق وہ جو اللہ کے علم میں ہے اور جسے اللہ تعالی کے علم کے مطابق لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے، اس کے اندر نہ تو کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نہ اس میں کوئی حذف واضافہ ہوتا ہے، اسے قضائے محکم یا قضائے مطلق کہتے ہیں۔ لاحق سے مراد وہ قضاء وقدر ہے جو انسانوں پر مامور فرشتوں کے علم میں اور اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتا ہے، اس کے اندر نسخ، تبدیلی، حذف اوراضافہ واقع ہوتا ہے، اسے قضائے معلق کہا جاتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا: (جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے)۔ اس میں وارد رزق کی فراخی سے مراد حقیقی فراخی ہے، یہ اس فرشتہ کے علم کے اعتبار سے ہے جسے انسان کی عمر پر مامور کیا گیا ہے، مثلا اللہ تعالی فرشتہ سے یہ کہے کہ: اگر فلاں شخص صلہ رحمی کرے تو اس کی عمر سو سال ہے اور رشتہ ناطہ توڑے تو اس کی عمر ساٹھ سال ہے۔ لیکن یہ بات اللہ کے علم میں ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا رشتہ ناطہ توڑے گا۔ اللہ کے علم میں جو چیز ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی، لیکن جو چیز فرشتہ کے علم میں ہے اس کے اندر کمی بیشی کا امکان ہے، اس طرح ان نصوص کا صحیح مطلب ومفہوم واضح ہو جاتا ہے جو باہم متعارض نظر آتے ہیں۔ دیکھیں: شرح مختصر الروضۃ للطوفی: ۱/ ۲۷۹-۲۸۰، الفتاوی: ۱۴/ ۴۸۸-۴۹۲، تیسیر الکریم المنان: ۱۱۶-۱۱۷

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کہ کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی۔ وہ ہمارا کارساز اور مولی ہے۔

تیسرا مرتبہ: ان چیزوں کے وقوع میں اللہ کی مشیئت[1] کا شامل ہونا، اللہ فرماتا ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝٢٩﴾ [سورۃ التکویر:29].

ترجمہ: اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

چوتھا مرتبہ: اللہ تعالی کا ان چیزوں کو پیدا کرنا، اللہ فرماتا ہے:

﴿ٱللَّهُ خَٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [سورۃ الزمر:62].

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

اہل سنت والجماعت نے یہ ذکر کیا ہے کہ جس نے ان مراتب پر ایمان نہیں لایا اس نے قضاء وقدر پر ایمان نہیں لایا، اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اپنی معصیت ونافرمانی سے منع فرمایا ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نیکوکاروں اور انصاف پسندوں کو محبوب رکھتا ہے، مومنوں اور نیک اعمال کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے، کافروں کو پسند نہیں فرماتا اور نہ فاسقوں سے خوش ہوتا ہے، اللہ نہ برائی کا حکم دیتا، نہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند فرماتا ہے، اور نہ ہی وہ فساد وبگاڑ کو چاہتا ہے، وہ حکمت اور علم والا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تقدیر کے لکھے جانے پر ایمان لانے میں پانچ چیزیں داخل ہیں:

---

[1] اس سے ان معتزلہ، اشاعرہ اور جہمیہ کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ارادہ اور مشیئت محبت اور رضا کے معنی میں ہیں۔ جب کہ صحیح رائے یہ ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم: ارادہ کونیہ جو مشیئت کے معنی میں ہے، اس ارادہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالی جس چیز کا ارادہ کر رہا ہے، اس سے محبت بھی کرتا ہے اور اس سے خوش بھی ہے۔ اللہ تعالی واقع ہونے کے اعتبار سے کفر کا ارادہ کرتا ہے، لیکن شرعی طور پر اسے پسند نہیں فرماتا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: (اگر تم ناشکری کرو تو یاد رکھو کہ اللہ تعالی تم سب سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں) زمر: ۷

دوسری قسم: ارادہ شرعیہ: اس ارادہ سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا لازم آتی ہے۔ دیکھیں: الفتاوی: ۸/۱۸۸-۱۸۹، ۲۵۷، شفاء العلیل: ۲۸۰، ۲۸۰، شرح الطحاویۃ: ۱/۷۹-۸۰

۱- یہ تقدیر تمام مخلوقات کو شامل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کا علم، اس کی مشیئت اور تخلیق تمام مخلوقات کو محیط ہیں۔

۲- عہد وپیمان کی تحریر بھی تقدیر میں شامل ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَىٰ شَهِدْنَآ أَن تَقُولُواْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ﴿١٧٢﴾﴾ [سورۃ الأعراف:172].

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

۳- عمر کی تقدیر: بندہ ابھی رحم مادر ہی میں ہوتا ہے کہ اس کا رزق، اس کی مدت زندگی، اس کا عمل، اس کی سعادت ونیک بختی اور یا شقاوت وبد بختی مقدر کر دی جاتی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (انسان کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک پوری کی جاتی ہے، پھر وہ اتنے ہی دنوں تک علقہ یعنی غلیظ اور جامد خون کی صورت میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں کے لئے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر اللہ تعالی ایک فرشتہ کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے، چنانچہ وہ فرشتہ اس کے عمل، اس کی مدت زندگی، روزی اور یہ کہ وہ نیک ہے یا بد، کو لکھ لیتا ہے)[1]۔

۴- سالانہ تقدیر: شب قدر میں لوح محفوظ سے - نقل کر کے - وہ تمام خیر وبھلائی اور روزیاں لکھ لی جاتی ہیں جو ایک سال کے اندر ہونے والی ہیں، اللہ فرماتا ہے: ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٤﴾﴾ [سورۃ الدخان:4].

ترجمہ: اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

۵- روزانہ کی تقدیر: جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ [سورۃ الرحمن:29].

ترجمہ: ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب (ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین) ۱۳/ ۷-۳۱-۳۱۶

اللہ تعالی ہر دن کچھ گناہ معاف کرتا، مصیبتوں کو دور کرتا، کسی قوم کو ترقی تو کسی قوم کو تنزلی سے ہمکنار کرتا ہے، اس تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو تقدیریں لکھی جاچکی ہیں، ان کے متعینہ اوقات میں انہیں روبہ عمل لایا جاتا ہے۔ روزانہ کی تقدیر سالانہ کی تقدیر کی ہی تفصیل ہے، اسی طرح سالانہ کی تقدیر، عمر بھی کی اس تقدیر کی تفصیل ہے جو رحم مادر میں جنین کے اندر روح پھونکتے وقت لکھی جاتی ہے، عمر بھر کی یہ تقدیر اس عمر بھر کی پہلی تقدیر کی تفصیل ہے جو عہد ومیثاق کے دن مقدر کی گئی تھی، اور یہ اس تقدیر کی تفصیل ہے جسے قلم نے لوح محفوظ میں تحریر کیا تھا[1]۔

اسی لئے اہل سنت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں: یہ واجب ہے کہ صرف اللہ کی ہی عبادت کی جائے اور اسی کا تقوی اختیار کیا جائے۔ نیز بندہ کے اوپر یہ لازم ہے کہ وہ اسباب[2] اختیار کرے اور اللہ سے توفیق وہدایت کی دعا مانگے اور یہ جان لے کہ اسے اتنا ہی ملے گا جتنا کہ اللہ نے اس کے لئے مقدر کر رکھا ہے اور یہ یقین جازم بھی رکھے کہ اللہ تعالی نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا[3] اور نہ ذرہ برابر کسی پر ظلم کرتا ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:﴿ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝٧ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝٨ ﴾ [سورۃ الزلزلۃ:7-8].

ترجمہ: جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

اس طرح اس شخص کے لئے کھلا حق واضح ہو جاتا ہے جس نے دل ودماغ کو حاضر رکھ کر پڑھا اور حضور قلب کے ساتھ سنا۔

یقینا سورۃ نور اور حدیث نبوی میں وارد واقعہ افک کے اندر بہت سے گراں مایہ خزینے موجود ہیں، میرا یہ دعوی نہیں کہ میں نے کوئی قابل ذکر شیٔ انجام دی ہے، لیکن تھوڑی سی بھلائی بھی کچھ نہیں سے تو بہتر ہے۔ اس عجلت میں جو کچھ

---

[1] معارج القبول:۲/۳۵۴

[2] اس سے اباضیہ، صوفیا، جبریہ اور دہریہ جیسے فرقوں کی تردید ہوتی ہے جو قضاء وقدر کی بنیاد پر اللہ کے اوامر ونواہی کو رد کرتے اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ اوامر ونواہی محض تقدیر کا ہی نتیجہ ہیں۔ دیکھیں: الفتاوی:۸/ ۲۶۳-۲۶۴، رسالۃ الاحتجاج بالقدر لابن تیمیۃ:۲۶، رفع الشبہۃ والغرر عمن یحتج علی فعل المعاصی بالقدر لمرعی یوسف:۲۱-۲۳، الشوقیات لاحمد شوقی:۳/۱۵۵، دیوان حافظ ابراہیم:۴۴۸

[3] اس سے ان خوارج، معتزلہ اور مرجئہ کی تردید ہوتی ہے جو تقوی شعار مومن اور فاسق گنہگار کو برابر اور یکساں شمار کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ تقوی شعار مومن سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو خوارج اور معتزلہ اسے ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنمی قرار دیتے ہیں، اور مرجئہ فرشتوں کے ایمان اور فاسق کے ایمان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ دیکھیں: المقالات:۱/۲۱۴، ذکر مذاہب الفرق:۱۴۷، الانوار النعمانیۃ: ۲/۲۳۱، أصول الدین ط دار الکتب العلمیۃ:۲۴۹، مقدمۃ التوحید لابی حفص:۵۰، شرح أصول الخمسۃ:۶۳۲

بھی پیش کیا گیا ہے، اس میں سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ اس سے قرآن کریم اور سنت نبویہ کی عظمت آشکار ہوتی ہے، ان دونوں کے اندر ہی تمام طرح کی بھلائی و بہتری ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (میں نے تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑی ہے کہ تم اگر اسے تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے: کتاب اللہ اور میری سنت)[1]۔

---

[1] مؤطا امام مالک: کتاب القدر، باب النہی عن القول بالقدر ۳، الترمذی، کتاب المناقب، باب ۷۷، حدیث نمبر: ۳۷۹۰، ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

خاتمہ:

واقعہ افک سے درج ذیل اہم اعتقادی مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

۱- قضاء وقدر پر ایمان لانا جو کہ ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

۳- ابتلاء وآزمائش پر صبر کرنے سے بندہ کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

۴- اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا اثبات اور یہ کہ کلام، اللہ کی ذاتی اور فعلی صفت ہے۔

۵- انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اگر نیکی کرے گا تو ثواب پائے گا اور برائی کرے گا تو سزا۔

۶- اس قول کی تردید کہ بندہ اپنے افعال کا خود ہی خالق ہے۔

۷- ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے کام پر مجبور ہے۔

۸- ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ بندہ کی قدرت بے اثر ہے۔

۹- گناہ کی دو قسمیں ہیں: صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ۔

۱۰- یوم آخرت اور اس دن واقع ہونے والی ہولناکیوں پر ایمان لانا۔

۱۱- ان لوگوں کی تردید جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے مومن کو کافر قرار دیتے ہیں۔

۱۲- توبہ سے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۱۳- دوسروں کے تئیں حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

۱۴- ایمان: قول وعمل اور تصدیق کا نام ہے۔

۱۵- ایمان میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے۔

۱۶- عائشہ رضی اللہ عنہا کا احترام۔

۱۷- ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کا احترام۔

۱۸- توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات کا اثبات۔

۱۹- دین اسلام کے تئیں منافقت اور منافقین کی سنگینی۔

۲۰- اسلامی عقیدہ کے تئیں افواہ بازی کی سنگینی۔

۲۱-اللہ کے علم اور اس کی مشیئت کا اثبات جو کہ قضاء وقدر کے مراتب میں شامل ہیں۔

۲۲-ارادہ کونیہ اور ارادہ شرعیہ کے درمیان فرق۔

۲۳-اللہ تعالی کے خوبصورت ناموں میں علیم، حکیم، رؤوف اور رحیم بھی ہیں۔

۲۴- قرآن کریم نبی ﷺ کا ایسا معجزہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا۔

۲۵-بندہ کو اپنا تزکیہ خود نہیں کرنا چاہئے۔

۲۶-ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ: تمام لوگ ایمان کے معاملہ میں برابر ہیں۔

۲۷-اللہ پاک وبرتر کے نزدیک انسان کی حرمت اور اس کا مقام۔

۲۸-اللہ پاک وبرتر کے نزدیک عزت نفس کی حرمت اور اس کا مقام۔

۲۹- جھوٹ، کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

۳۰-گناہ کو کمتر نہیں سمجھنا چاہئے۔

۳۱-شبہات اور شہوات کی جگہوں سے دور رہنا چاہئے۔

۳۲-ابتلاء وآزمائش پر صبر اور خوشی کے مواقع پر شکر ادا کرنا چاہئے۔

۳۳-شیطان اور اس کی گمراہیوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

۳۴-بندہ ہر وقت اللہ کا محتاج ہے۔

۳۵-ہدایت وراستی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۳۶-ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ: ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

۳۷-ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ: شاتم رسول ﷺ کے ایمان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

۳۸-ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ: مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں رہے گا۔

۳۹-ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ: مرتکب کبیرہ کو کوئی عذاب نہیں ہوگا۔

۴۰-ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ پاک وبرتر کے اعمال وافعال میں کوئی حکمت نہیں ہوتی۔

۴۱- صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنا ایمان کی بنیاد میں شامل ہے۔

۴۲-عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی تردید۔

۴۳-رسول ﷺ کے بشر اور انسان ہونے کا اثبات۔

۴۴-رسول ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے۔

۴۵-محمد ﷺ کی نبوت ورسالت برحق ہے۔

۴۶-مصیبت کے وقت اناللہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیے۔

۴۷-غزوہ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت۔

۴۸-قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، اللہ نے ہی اسے نازل فرمایا اور اسی کی طرف آخری زمانے میں لوٹ جائے گا۔

۴۹-رسول کریم ﷺ کی نظر میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام ومرتبہ۔

۵۰-اسلام میں شوری-ایک دوسرے سے مشورہ طلب کرنے-کی اہمیت ومنزلت۔

۵۱-اللہ تعالی کی صفت علو کا اثبات۔

۵۲-فرشتے اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، انہیں جو بھی حکم دیا جاتا ہے اس کی تابعداری کرتے ہیں۔

۵۳-ان لوگوں کی تردید جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں سے مراد روحانی اور معنوی امور ہیں۔

۵۴-رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کا اثبات۔

۵۵-ان لوگوں کی تردید جو انبیاء ورسل علیہم السلام پر نزول وحی کا انکار کرتے ہیں۔

۵۶-عام انسانوں کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کے خواب سچ ہوتے ہیں۔

۵۷-رسول ﷺ پر وحی کا نزول گراں ہوا کرتا تھا۔

۵۸-منکرین کرامت کی تردید۔

خلاصہ:

اس مقالہ کے اندر یہ کوشش کی گئی ہے کہ واقعہ افک سے عقیدہ کے مسائل مستنبط کئے جائیں، چنانچہ اس مقالہ کی روشنی میں درج ذیل اہم اعتقادی مسائل سامنے آئے ہیں:

قضاء وقدر پر ایمان لانا اور اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اللہ تعالی بولتا ہے، اللہ کا کلام قابل سماعت ہے، کلام، اللہ کی ذاتی اور فعلی صفت ہے، اللہ کے کچھ صفات ذاتی تو کچھ فعلی ہیں، اللہ کے بہت سے پیارے پیارے نام اور بلند صفات ہیں، انسان اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، اچھا عمل ہو گا تو بہتر بدلا ملے گا اور برا عمل ہو گا تو اس کا انجام بھی برا ہے، توبہ سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، گناہ کی دو قسمیں ہیں: کبیرہ اور صغیرہ، بندہ مومن جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے لیکن وہ اسے حلال نہیں سمجھتا تو اس کا معاملہ مشیئت الہی کے سپرد ہے، اللہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو عذاب سے دوچار کرے، لیکن اگر اسے عذاب دے گا تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں ڈالے گا، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ -گناہ گار مومنوں کے تعلق سے- خواہش پرست بدعتیوں کی رائے درست نہیں ہے، نیز یہ کہ ارادہ کونیہ اور ارادہ شرعیہ میں فرق ہے، ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنا ایمان کی بنیاد میں سے ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا مطلق علم نہیں رکھتے تھے، واقعہ افک کی روشنی میں بہت سارے خواہش پرست بدعتی فرقوں کی تردید ہوتی ہے جیسے خوارج، شیعہ، مرجئہ، جہمیہ، قدریہ، صوفیہ، دروز، فلاسفہ، عقل پرست، جدت پرست اور سیکولر اور بے دین وغیرہ۔

مصادر ومراجع:

- الإحکام، ابن احزم، تحقیق: محمد احمد عبد العزیز، مکتبۃ عاطف، ط ا، ۱۳۹۸ھ۔
- الإرشاد إلی قواطع الأدلۃ، بو المعالی عبد اللہ الجوینی، مکتبۃ الخانجی، مصر، ۱۳۶۹ھ۔
- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، یوسف بن عبد البر، دار العلوم الحدیثۃ، مصر۔
- أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، عز الدین ابو الحسن علی الشیبانی، دار احیاء التراث۔
- الأسماء والصفات للبیہقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔
- الاسماعیلیۃ، احسان الٰہی ظہیر، ادارۃ ترجمان السنۃ، ط ا۔
- اشتقاق اسماء اللہ الحسنی، القاسم عبد الرحمن بن اسحاق الزجاجی، تحقیق: ڈاکٹر عبد الحسیب المبارک، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ۲۔
- اصول الدین، البغدادی، مطبعۃ الدولۃ، استنبول، ط ا، ۱۳۴۶ھ، دوسری طباعت، ۱۹۸۷ء۔
- اصول الدین، فخر الدین الرازی، تحقیق: ڈاکٹر احمد حجازی السقا، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، قاہرۃ۔
- الاصول من الکافی، محمد یعقوب الکلینی، تعلیق: علی القفاری، دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، ۱۳۸۸ھ، دوسری طباعت، ایران۔
- اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، محمد الامین الشنقیطی، عالم الکتب، بیروت۔
- اعتقادات الصدوق، عبد اللہ بن النعمان، المطبعۃ الحیدریۃ، ط ۱۳۹۳ھ۔
- اعتقاد فرق المسلمین والمشرکین لدرر أخبار الأئمۃ الاطہار، محمد باقر المجلسی، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
- الأعلام، خیر الدین الزرکلی، دار العلم للملایین، بیروت۔
- الأعمال الکاملۃ، جمال الدین الأفغانی، تحقیق: محمد عمارۃ، مؤسسۃ العربیۃ للدرسات، بیروت۔
- الأعمال الکاملۃ، محمد عبدہ، جمع و تحقیق: محمد عمارۃ، قاہرۃ۔
- اغاثۃ اللہفان من مصائد الشیطان، ابن القیم، تحقیق: مجدی فتحی السید، دار الحدیث، قاہرہ، طباعت دوم، تحقیق: محمد الفقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱۹۸۷ء۔

- اقتضاء الصراط المستقیم، ابن تیمیۃ، تحقیق: ڈاکٹر ناصر عبد الکریم العقل، مکتبۃ الرشد، ریاض، سعودی عرب، ط۴، تحقیق: محمد حامد الفقی، السنۃ المحمدیۃ، قاہرۃ۔
- الانوار النعمانیۃ، نعمت اللہ الجزائری، تبریز، ایران، دوسری طباعت، مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان۔
- ایقاظ الہمم فی شرح الحکم، ابن عجیبۃ الحسنی، تقدیم: محمد حسب اللہ، دار المعارف۔
- الایمان، ابن تیمیۃ، تحقیق: محمد ناصر الدین الالبانی، المکتب الاسلامی، بیروت۔
- بدائع الفوائد، ابن القیم، مکتبۃ القاہرۃ۔
- البدایۃ والنہایۃ، ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر، مکتبۃ المعارف، بیروت۔
- براءۃ الأئمۃ من الوقوع فی علماء الأمۃ، بکر ابو زید، دار الرایۃ، ریاض، ط۳، ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۷ء
- البرہان فی معرفۃ عقائد اہل الادیان، ابو الفضل عباس بن منصور السکسکی، تحقیق: ڈاکٹر بسام علی سلامۃ العموش، مکتبۃ المنار، اردن۔
- بین الاصالۃ والحداثۃ، نقد و مختارات، احمد فرح عقیلان، النادی الادبی، طائف، ط۱۴۰۶ھ۔
- تاریخ الجہمیۃ والمعتزلہ، جمال الدین القاسمی، مطبعۃ المنار، مصر، ط۱، ۱۳۳۱ھ۔
- تاریخ المذاہب الاسلامیۃ، محمد ابو زہرہ، دار الفکر العربی، قاہرۃ۔
- تاریخ الفرق الاسلامیۃ ونشأۃ علم الکلام عند المسلمین، علی مصطفی الغرابی، مکتبۃ الانجلو المصریۃ، ط۲، ۱۹۸۵ء۔
- تاویل مختلف الحدیث، ابن قتیبۃ الدینوری، ط دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔
- التبصیر فی الدین، ابو المظفر الاسفرائینی، تحقیق: کمال یوسف الحوت، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء۔
- تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد، محمد ناصر الدین الالبانی، المکتب الاسلامی، بیروت، دمشق، ط۳، ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء۔
- تحفۃ المرید، ابراہیم محمد البیجوری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
- التدمریۃ، شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، تحقیق: ڈاکٹر محمد عودۃ السعودی، مکتبۃ العبیکان، ریاض، ط۳، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶ء۔
- تذکرۃ الحفاظ، الامام الذہبی، دار احیاء التراث العربی۔

- التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، المکتبۃ السلفیۃ التسعینیۃ، ابن تیمیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔
- التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، محمد انور شاہ الکشمیری، ترتیب: محمد شفیع، تحقیق: عبد الفتاح ابو غدۃ، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ ودار القرآن الکریم، ط۳، ۱۴۰۱ھ-۱۹۸۱ء۔
- التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، الشاہ انور الکشمیری، تحقیق: ابو غدۃ الکوثری۔
- التعریفات، علی بن محمد الشریف الجرجانی، مکتبۃ لبنان، بیروت، ۱۹۹۰ء۔
- تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، دار السلام، ریاض، سعودی عرب۔
- تفسیر المراغی، احمد مصطفی المراغی، ط۳، ۱۳۹۴ھ-۱۹۷۴ء۔
- تفسیر النسفی، ابو البرکات النسفی، مطبعۃ الحلبی، قاہرۃ۔
- التنبیہ والرد، ابو الحسن الملطی، تحقیق: یمان بن سعد الدین المیادینی، رمادی للنشر، المؤتمن للتوزیع، ط۱، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۴ء۔
- التنویر فی اسقاط التدبیر، احمد بن عطاء اللہ السکندری، دار جوامع الکلم۔
- التوحید، ابن خزیمۃ، تحقیق: ڈاکٹر عبد العزیز ابراہیم الشہوان، مکتبۃ الرشد، ریاض، سعودی عرب، ط۵، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۴ء۔
- التوحید، الماتریدی، تحقیق: ڈاکٹر فتح اللہ خلیف، دار المشرق، بیروت، لبنان۔
- التوراۃ، ڈاکٹر مصطفی محمود، دار المعارف، ط۵۔
- التوقیف علی مہمات التعاریف، محمد عبد الرؤوف المناوی، تحقیق: محمد رضوان الدایۃ، دار الفکر المعاصر، بیروت۔
- تیسیر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید، شیخ سلیمان بن عبد اللہ ابن محمد بن عبد الوہاب، المکتب الاسلامی۔
- الجامع لاحکام القرآن، ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔
- الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، ابن تیمیۃ، تحقیق: ڈاکٹر علی بن حسن بن ناصر وڈاکٹر عبد العزیز ابراہیم العسکر، وڈاکٹر حمدان محمد الحمدان، دار العاصمۃ، سعودی عرب، ط۱، ۱۴۴۱ھ، دوسری طباعت، مطبعۃ المدنی، قاہرۃ۔

- الحجۃ فی بیان المحجۃ، الاصبہانی، تحقیق:ڈاکٹر محمد ربیع المدخلی، دار الرایۃ، ط۱، ۱۴۱۱-۱۹۹۰ء۔
- الحداثۃ فی میزان الاسلام، عوض القرنی، ہجر للطباعۃ والنشر، مصر۔
- حدیث النزول، ابن تیمیۃ، قاہرۃ۔
- الحق الدامغ، شیخ احمد بن حمد الخلیلی، سلطنۃ عمان، ۱۴۰۹ھ۔۔
- حکایۃ المناظرۃ فی القرآن مع بعض اہل البدعۃ، الامام محمد بن عبد اللہ المقدسی، تحقیق: عبد اللہ بن یوسف الجدیع، مکتبۃ الرشد، ریاض، ط۱، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء۔
- الحکومۃ الاسلامیۃ، روح اللہ الخمینی، ایران، ۱۳۸۹ھ۔
- خبیئۃ الاکوان فی افتراق الامم علی الادیان، محمد صدیق خان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ-۱۹۸۴ء۔
- دراسات فی الفرق والعقائد الاسلامیۃ، ڈاکٹر عرفان عبد الحمید، مؤسسۃ الرسالۃ، ط۱، ۱۴۰۴ء۔
- درء تعارض العقل والنقل، ابن تیمیۃ، تحقیق: محمد رشاد سالم، دار الکنوز الادبیۃ، ۱۳۹۹ھ، دوسری طباعت، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ، ریاض۔
- دراسۃ فی تاریخ الاباضیۃ، ابو الفضل البرادی، تحقیق: ڈاکٹر محمود زینہم عزب واحمد عبد التواب عوض، دار الفضیلۃ، قاہرۃ۔
- دیوان حسان بن ثابت، تحقیق:ڈاکٹر سید حنفی حسنین، ط وزارۃ الثقافۃ بجمہوریۃ مصر العربیۃ، قاہرۃ، ۱۳۹۴ھ۔
- ذکر مذاہب الفرق الثنتین وسبعین المخالفۃ للسنۃ والمبتدعین، عبد اللہ بن اسعد الیافعی، تحقیق: ڈاکٹر موسی سلیمان الدویش، دار البخاری، مدینہ منورہ، ط۱، ۱۴۱۰ھ۔
- رد الامام الدارمی، عثمان بن سعید علی بشر المریسی العنید، تحقیق: محمد حامد الفقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔
- الرد علی الجہمیۃ، ابن مندۃ، تحقیق:ڈاکٹر علی بن محمد بن ناصر الفقیہی، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، مدینہ منورہ، ط۳، ۱۴۰۴ھ-۱۹۹۴ء۔
- الرد علی المنطقیین، ابن تیمیۃ، ادارۃ ترجمان السنۃ، پاکستان، ط۳، ۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸ء۔
- الرد علی من قال بفناء الجنۃ والنار وبیان الاقوال فی ذلک، ابن تیمیۃ، تحقیق:ڈاکٹر محمد بن عبد اللہ السمہری، دار بلنسیۃ، ریاض، ط۱، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵ء۔

- رسائل فی العقیدۃ، شیخ محمد بن صالح العثیمین، دار عالم الکتب، ریاض، ط۳، ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء۔
- رسالۃ السجزی إلی اہل زبید فی الرد علی من انکر الحرف والصوت، امام حافظ ابو نصر عبید اللہ بن سعید السجزی، تحقیق ودراسۃ: ڈاکٹر محمد باکریم باعبد اللہ، جامعہ اسلامیۃ، مدینہ منورہ، ط۱، ۱۴۱۳ھ۔
- الرسالۃ الاکملیۃ فی ما یجب للہ من صفات الکمال، ابن تیمیۃ، مقابلۃ وتقدیم: احمد حمدی امام، مطبعۃ المدنی، مصر، ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء۔
- رفع الشبہۃ والغرر عمن یحتج بالقدر، مرعی یوسف الکرمی الحنبلی، تحقیق: اسعد محمد المغربی، دار حراء، مکۃ المکرمۃ۔
- الروضۃ الندیۃ شرح العقیدۃ الواسطیۃ، زید عبد العزیز بن فیاض، دار الوطن، ریاض۔
- السنۃ، امام عبد اللہ بن حنبل الشیبانی، تحقیق ودراسۃ: ڈاکٹر محمد بن سعید القحطانی، رمادی للنشر، سعودی عرب، ط۳، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵ء۔ ال
- سیر اعلام النبلاء، امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۶، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء۔
- شرح اصول الخمسۃ، القاضی عبد الجبار، تعلیق: احمد بن الحسین بن ابی ہاشم، تحقیق: ڈاکٹر عبد الکریم عثمان، مکتبۃ وہبۃ، قاہرۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶ء۔
- شرح اضاءۃ الدجنۃ، شیخ احمد المقری المالکی، دار الفکر للطباعۃ والنشر۔
- شرح جوہرۃ التوحید، ابراہیم البیجوری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔
- شرح جوہرۃ التوحید، القانی، تحقیق: محمد محیی الدین عبد الحمید۔
- شرح السنۃ، امام البغوی، تحقیق: الارنؤوط وشاویش، المکتب الاسلامی۔
- شرح العقیدۃ الاصفہانیۃ، ابن تیمیۃ، تقدیم: حسن محمد مخلوف، دار الکتب الحدیثۃ، مصر، ط۱۔
- شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ابن ابی العز الحنفی، تحقیق: علماء کمیٹی، المکتب الاسلامی، بیروت، دوسری طباعت، تحقیق: محمد ناصر الدین الالبانی، المکتب الاسلامی، بیروت۔
- شرح العقیدۃ الواسطیۃ، ڈاکٹر صالح بن فوزان عبد اللہ الفوزان، مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب۔
- شرح الفقہ الاکبر، ملا علی قاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ۔

- شرح القصیدۃ النونیۃ، ابن القیم، ڈاکٹر خلیل ہراس، دار الفاروق، مصر، دوسری طباعت، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء۔
- شرح مختصر الروضۃ، الطوفی، تحقیق: ڈاکٹر عبد اللہ الترکی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء۔
- شرح المقاصد فی علم الکلام، مسعود عمر التفتازانی، تحقیق: عبد الرحمن عمیرۃ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ۔
- شطحات مصطفی محمود، ڈاکٹر عبد المتعال الجبری، دار الاعتصام، قاہرۃ۔
- شعراء السعودیۃ المعاصرون التاریخ والواقع، ڈاکٹر احمد کمال زکی، دار العلوم، ریاض، ط۱، ۱۴۰۳ھ-۱۹۸۳ء۔
- شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل، ابن القیم، تخریج و تعلیق: مصطفی ابو النصر الشلبی، مکتبۃ السوادی، جدۃ، ط۲، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵ء، دوسری طباعت، مکتبۃ التراث، قاہرۃ۔
- الشیعۃ بین الاشاعرۃ والمعتزلۃ، ہاشم الحسینی، دار العلم، کویت، ط۱۔
- الصحاح، اسماعیل بن حماد الجوہری، تحقیق: احمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملایین، بیروت۔
- صراع مع الملاحدۃ حتی العظم، عبد الرحمن حسن حبنکۃ المیدانی، دار القلم، ط۴، ۱۴۰۵ھ۔
- الصفدیۃ، ابن تیمیۃ، مکتبۃ ابن تیمیۃ، قاہرۃ، ۱۴۰۶ھ، دوسری طباعت، تحقیق: محمد رشاد سالم۔
- الصواعق الشہابیۃ علی الشبہ الداحضۃ الشامیۃ، سلیمان بن سحمان، تحقیق: عبد السلام بن عبد الکریم، دار العاصمۃ، ط۱، ۱۴۰۰ھ۔
- الصواعق المرسلۃ علی الجہمیۃ والمعطلۃ، ابن القیم، تحقیق: ڈاکٹر علی بن محمد الدخیل اللہ، دار العاصمۃ، سعودی عرب، ط۲، ۱۴۱۲ھ۔
- العقود الدریۃ من مناقب شیخ الاسلام، ابن عبد الہادی، تقدیم: علی صبیح المدنی، مطبعۃ المدنی۔
- العقیدۃ الحقۃ فی الدر علی اہل الحلول والوحدۃ المطلقۃ، احمد الرفاعی، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ۔
- عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث، ابو اسماعیل بن عبد الرحمن الصابونی، تحقیق: ڈاکٹر بدر بن عبد اللہ البدر، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، سعودی عرب۔
- عقیدۃ الدروز، ڈاکٹر محمد احمد الخطیب، دار عالم الکتب، ریاض، ط۳، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء۔
- الغنیۃ فی اصول الدین، المتولی الشافعی، تحقیق: عماد الدین حیدر، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ط۱، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۷ء۔

- الغیبۃ، ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی، مطبعۃ النعمان، النجف، ط۲، ۱۳۸۵ھ۔
- فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء، جمع وترتیب: شیخ عبد الرزاق الدویش، دار العاصمۃ، سعودی عرب، ط۳، ۱۴۱۹ھ۔
- فتح المجید شرح کتاب التوحید، شیخ عبد الرحمن بن حسن آل الشیخ، نظر ثانی: شیخ عبد العزیز بن باز، دار الفیحاء، دمشق، دار السلام، ریاض، ط۱۔
- الفقہ الکبر، ابو حنیفۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۴ھ۔
- القاموس المحیط، مجد الدین بن یعقوب الفیروزآبادی، تحقیق: مکتب التراث، مؤسسۃ الرسالۃ۔
- القرآنیون وشبہا تہم حول السنۃ، خادم حسین الٰہی بخش، مکتبۃ الصدیق، طائف، سعودی عرب، ط۱، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء۔
- القضاء والقدر، عبد الرحمن المحمود، جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض، سعودی عرب۔
- القضاء والقدر فی الاسلام، ڈاکٹر فاروق الدسوقی، المکتب الاسلامی، ط۲، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء۔
- قطف الثمر فی بیان عقیدۃ اہل الاثر، محمد بن صدیق خان القنوجی، تحقیق: ڈاکٹر عاصم بن عبد اللہ القریونی، قاہرۃ، ط۱، ۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴ء۔
- الکافی، محمد بن یعقوب الکلینی، شرح محمد صالح المازندانی، تعلیق: ابو الحسن الشعرانی، المکتبۃ الاسلامیۃ، طہران، ۱۳۸۴ھ۔
- کشاف اصطلاحات الفنون، التھانوی، شرطۃ خیاط للنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۶۶ء۔
- الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، ابو القاسم جار اللہ الزمخشری، تصحیح: مصطفی حسین احمد، دار الریان، قاہرۃ، ط۳، ۱۴۰۷ھ، دوسری طباعت، دار الفکر۔
- کشف الاسرار، آیۃ اللہ الخمینی، تقدیم: ڈاکٹر محمد علی الخطیب، دار عمار، عمان، ط۱، ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۷ء۔
- کشف الاستار لِإبطال ادعاء فناء النار، ڈاکٹر علی جابر الحربی۔
- الکشف والبیان، ابو عبد اللہ محمد سعید الاسدی القلہاتی، وزارۃ التراث القومی، عمان، ۱۴۰۰ھ-۱۹۸۰ء۔
- الکلیات للکفوی، مقابلۃ ووضع الفہارس: ڈاکٹر درویش و محمد المصری، مؤسسۃ الرسالۃ۔
- الکواشف الجلیۃ عن معانی الواسطیۃ، عبد العزیز المحمد السلمان، ط۱۱، ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲ء۔

- لسان العرب، ابوالفضل جمال الدین محمد بن منظور، تصحیح: امین محمد عبد الوہاب، محمد الصادق العبیدی، دار احیاء التراث، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷ء۔
- لوامع الانوار البہیۃ وسواطع الاسرار الاثریۃ، محمد السفارینی الحنبلی، المکتب الاسلامی، دار الخانی، ط۲۔
- الماتریدیۃ دراسۃ وتقویم، احمد بن عوض بن داخل اللہیبی الحربی، دار العاصمۃ، سعودی عرب، ط۱، ۱۴۱۳ھ۔
- الماتریدیۃ وموقفہم من الاسماء والصفات، شمس الدین الافغانی، مکتبۃ الصدیق، طائف، سعودی عرب، ط۱، ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳ء۔
- تشابہ القرآن، قاضی عبد الجبار بن احمد المعتزلی، تحقیق: ڈاکٹر عدنان الحنبلی، مکتبۃ ابن تیمیۃ۔
- مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، ترتیب: عبد الرحمن بن قاسم العاصمی الحنبلی، مکتبۃ ابن تیمیۃ۔
- محصل افکار المتقدمین والمتاخرین من العلماء والحکماء والمتکلمین للرازی، مراجعہ وتقدیم وتعلیق: طہ عبد الرؤوف سعد، دار الکتاب العربی۔
- المحنۃ، ڈاکٹر فہمی جدعان، دار الشروق، ط۱، ۱۹۸۹م۔
- مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ، شاہ عبد العزیز المام ولی اللہ احمد الدہلوی، تحقیق: محب الدین بن الخطیب، الرئاسۃ العامۃ لإدارۃ البحوث، سعودی عرب۔
- مدارج السالکین، ابن القیم، تحقیق: محمد المعتصم باللہ البغدادی، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، دوسری طباعت، السنۃ المحمدیۃ، ۱۳۷۵ھ۔
- المدنیۃ والاسلام، محمد فرید وجدی، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، ۱۳۵۳ھ۔
- مذاہب الاسلامیین، ڈاکٹر عبد الرحمن بدوی، دار العلم للملایین، بیروت۔
- المسائل والرسائل المرویۃ عن الامام احمد بن حنبل فی العقیدۃ، تحقیق: عبد الالہ بن سلیمان بن سالم الاحمدی، دار طیبۃ، ریاض، ط۱۔
- مسند الربیع بن حبیب، امام ربیع بن حبیب، سلطنۃ عمان۔
- مشارق انوار العقول، نور الدین ابو محمد عبید اللہ بن حمید السالمی، تعلیق: مقتس سلطنت عمان احمد الخلیلی، تحقیق: عبد المنعم العانی، دار الحکمۃ، دمشق، ط۱، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵ء، دوسری طباعت، دار الجیل، بیروت۔

○ مشکاۃ الانوار، ابو حامد الغزالی، مکتبۃ الجندی، مصر۔

○ معالم اصول الدین، فخر الدین الرازی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۴ء، دوسری طباعت، تقدیم: طہ عبد الرؤوف سعد، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، قاہرۃ۔

○ معالم التنزیل، امام حسین البغوی، دار المعرفۃ، بیروت۔

○ المعتزلۃ بین القدیم والحدیث، محمد طارق عبد الحلیم، دار الارقم، برمنگھم، ط ۱، ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۷ء۔

○ معجم مقاییس اللغۃ، ابو الحسن احمد بن فارس بن زکریا، تحقیق وضبط: عبد السلام محمد ہارون، دار الجیل، بیروت، لبنان، دوسری طباعت، دار الکتب العلمیۃ، ایران۔

○ المفردات فی غریب القرآن، ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بہ راغب الاصفہانی، تحقیق: محمد سعید کیلانی، دار المعارف، بیروت۔

○ مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین، ابو الحسن بن علی بن اسماعیل الاشعری، تحقیق: محمد محیی الدین عبد الحمید، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۰ء

○ مقدمۃ التوحید، ابو حفص عمر جمیح، المطبعۃ العربیۃ، ط ۲، ۱۹۷۳ء۔

○ الملل والنحل، محمد بن عبد الکریم الشہرستانی، دار المعرفۃ، بیروت، دوسری طباعت، تحقیق: محمد سید کیلانی، مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۶ھ-۔

○ مناقب الشافعی، ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، تحقیق: احمد صقر، دار التراث، مصر۔

○ المنقذ من الضلال، ابو حامد الغزالی، تحقیق: عبد الحلیم محمود، دار الکتاب العربی اللبنانی، ط ۲، ۱۹۸۵ء۔

○ منہاج السنۃ، ابن تیمیۃ، مکتبۃ دار العروبۃ، دوسری طباعت، جامعۃ امام محمد بن سعود اسلامیۃ، سعودی عرب، ط ۱، ۱۴۰۶ھ-۱۰۸۶ء۔

○ المنہاج فی شعب الایمان، ابو عبد اللہ الحلیمی، تحقیق: حلمی فودۃ، دار الفکر، بیروت۔

○ منہج المدرسۃ العقلیۃ الحدیثۃ فی التفسیر، ڈاکٹر فہد الرومی، مؤسسۃ الرسالۃ، ط ۳، ۱۴۰۷ھ۔

○ المنہل الصافی، جمال الدین ابو المحاسن تغری بردی الاتابکی، تحقیق: احمد یونس نجاتی، دار الکتب المصریۃ، قاہرۃ، ط ۱۔

○ المواقف فی علم الکلام، عضد الدین الایجی، عالم الکتب، بیروت۔

- النبوات، ابن تیمیۃ، المطبعۃ السلفیۃ، قاہرۃ، ۱۳۸۶ھ، دوسری طباعت، دار الفکر، بیروت۔
- النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، یوسف الاتابکی ابن تغری بردی، دار الکتب۔
- نشأۃ الفکر الفلسفی فی الاسلام، ڈاکٹر علی سامی النشار، دار المعارف۔
- نظریۃ التکلیف، ڈاکٹر عبد الکریم عثمان، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۳۹۱ھ۔
- نہایۃ الاقدام فی علم الکلام، الشہرستانی، مکتبۃ المتنبی، بغداد۔
- النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، امام مجد الدین المبارک بن الجزری ابن الاثیر، دار الفکر، بیروت، لبنان۔
- النہایۃ فی الفتن والملاحم، ابن کثیر، ط دار النصر۔
- وسائل الشیعۃ الی تحصیل مسائل الشریعۃ، محمد بن الحسن الحر العاملی، تحقیق: عبد الرحمن الشیرازی، احیاء التراث العربی، بیروت۔
- یا شیعۃ الیوم استیقظوا، ڈاکٹر موسی الموسری۔

فہرست موضوعات:

موضوع	صفحہ
مقدمہ	۳
تمہید	۱۶
پہلا باب: واقعہ افک ایمان کے ارکان پر مشتمل ہے	۲۳
پہلا مبحث: ایمان کی لغوی واصطلاحی تعریف	۲۳
دوسرا مبحث: وجود باری تعالی پر ایمان لانا	۲۵
تیسرا مبحث: توحید ربوبیت	۳۱
پہلا مسئلہ: توحید ربوبیت کی تعریف	۳۱
دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید ربوبیت کا ثبوت	۳۲
چوتھا مبحث: توحید الوہیت کی تعریف	۳۵
پہلا مسئلہ: توحید الوہیت کی تعریف	۳۵
دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید الوہیت کا ثبوت	۳۵
پانچواں مبحث: توحید اسماء وصفات	۳۸
پہلا مسئلہ: توحید اسماء وصفات کی تعریف	۳۸
دوسرا مسئلہ: واقعہ افک سے توحید اسماء وصفات کا ثبوت	۴۱
دوسرا باب: ملائکہ پر ایمان لانا	۴۹
پہلا مبحث: ملائکہ کی تعریف	۴۹

دوسرا مبحث:واقعہ افک سے ملائکہ پر ایمان لانے کا ثبوت	۵۱
تیسرا باب: آسمانی کتابوں پر ایمان لانا	۵۴
پہلا مبحث: کتب کی تعریف	۵۴
دوسرا مبحث:واقعہ افک سے کتابوں پر ایمان لانے کا ثبوت	۵۵
چوتھا باب:رسولوں پر ایمان لانا	۵۸
پہلا مبحث: نبی اور رسول کی تعریف	۵۸
دوسرا مبحث:واقعہ افک سے رسولوں پر ایمان لانے کا ثبوت	۶۰
پانچواں باب:یوم آخرت پر ایمان لانا	۶۵
پہلا مبحث:یوم آخرت کی تعریف	۶۵
دوسرا مبحث:واقعہ افک سے یوم آخرت پر ایمان لانے کا ثبوت	۶۶
چھٹا باب: قضاء وقدر پر ایمان لانا	۷۱
پہلا مبحث: قضاء وقدر کی تعریف	۷۱
دوسرا مبحث:واقعہ افک سے قضاء وقدر پر ایمان لانے کا ثبوت	۷۲
خاتمہ	۸۰
خلاصہ	۸۳
مصادر ومراجع	۸۴
فہرست موضوعات	۹۴

افادات